اعجاز بابو خان

لیکچرار، شعبۂ اردو

گورنمنٹ ڈگری کالج، گلزارِ ہجری، کراچی

اسلم فرخی کی خاکہ نگاری: انفرادیت کے چند پہلو

ABSTRACT

The Uniqueness of Aslam Farrukhi's sketch writing.
By Aijaz Babu Khan, Lecturer, Department of Urdu, Govt. Degree College, Gulzar-e-Hijri, Karachi.

Aslam Farrukhi was an Urdu auther, literary critic, linguist, scholar and radio script writer of Pakistan. He is also known as the finest sketch writer of Urdu. Farrukhi has penned remarkable portraits and sketches of renowned poets, scholars and academicians. His collection "Saat Asman" consist of literary portraits of seven classic poets of Urdu along with two other books of sketch writing. This article provides a critical overview of sketch writings of Aslam Farrukhi as well as his status and uniqueness in the genre of sketch writing.

ایسا شخصی مضمون جس میں موضوع شخصیت کے اہم اور نمایاں پہلوؤں کو اس طرح اجاگر کیا جائے کہ اس شخصیت کی ایک جیتی جاگتی تصویر قاری کے سامنے آجائے، اسے خاکہ کہتے ہیں۔ اردو خاکہ نگاری کے اولین نقوش ہمیں ابتدائی تذکروں میں ملتے ہیں جن میں تذکرہ نگاروں نے شعرا کے تعارف اور منتخب کلام کے ساتھ ساتھ کسی قدر ان کی شخصیت کے مرقعے بھی پیش کیے ہیں۔ اور ساتھ ہی ان شعرا کی شکل وصورت، عادات کی سرسری تفصیلات بھی بیان کردی ہیں۔ اس مرقع نگاری کی انتہا محمد حسین آزاد کی شاہکار تصنیف ''آبِ حیات'' میں نظر آتی ہے۔ اسے اردو ادب میں کلاسیک کا درجہ حاصل ہے گو کہ تحقیقی لحاظ سے محققین اور نقادوں نے اس کتاب کی متعدد غلطیوں کی نشاندہی کی ہے لیکن اسلوب اور مرقع نگاری کے منفرد اور خاص انداز نے اس تصنیف کو لافانی حیثیت دلا دی۔ یہی وجہ ہے کہ ''آبِ حیات'' پر تنقید کرنے کے باوجود حافظ محمود شیرانی نے اس کتاب کے بارے میں لکھا ہے کہ ''اردو کیا فارسی میں بھی کوئی اس (آبِ حیات) پائے کی کتاب موجود نہ تھی۔ یہ اگرچہ تاریخ ہے مگر اس کا ڈھنگ افسانے کا سا ہے اور اگرچہ نثر ہے لیکن اس کا لطف نظم کا سا ہے۔''(۱) آبِ حیات میں شعرا کے مرقعے اتنے زندہ جاوید ہیں کہ وہ ہمیں آس پاس چلتے پھرتے دکھائی دیتے ہیں۔ یہ سب شخصی مرقعے اکثر خیالی اور سنی سنائی باتوں کو بنیاد بنا کر لکھے گئے تھے جن سے ان شخصیات کے مزاج و رویے، عادات اور ذاتی زندگی کے معاملات کے بارے میں درست اندازہ

لگانا مشکل ہے۔ محمد حسین آزاد پہلے تذکرہ نگار ہیں جنھوں نے مختلف افراد کا حلیہ، عادات و اطوار نظریات و عقائد، ان کی خوبیوں اور خامیوں کو اس طرح پیش کیا ہے کہ پوری شخصیت ہماری نگاہوں کے سامنے آجاتی ہے۔(۲)

تذکروں کے علاوہ سوانح نگاری میں بھی خاکوں کے واضح اثرات نظر آتے ہیں۔ بلکہ خاکے کو سوانح کی قبیل کی صنف سمجھا جاتا ہے۔ سوانح کسی شخصیت کی پیدائش سے وفات تک سوانحی حالات، خاندان، آبا و اجداد، وراثت، خدمات و اعزازات کی تفصیلات عہد بہ عہد ارتقاء کے ساتھ بیان کی جاتی ہیں۔ اس میں شخصیت کے تمام پہلوؤں کو شامل کیا جاتا ہے۔ اس لیے خاکہ نگاری کے اثرات سوانح میں واضح دکھائی دیتے ہیں۔ خواجہ الطاف حسین حالیؔ اور مولانا شبلی نعمانی کی سوانح عمریوں میں بھی شخصیات کی پوری زندگی کو موضوع بنایا گیا ہے لیکن ان سوانح عمریوں میں قصداً شخصیات کی خوبیوں کو ہی بیان کیا گیا ہے اور شخصی خامیوں کو بیان کرنے سے گریز کیا گیا ہے۔ ایسے میں ایک ایسی صنف کی ضرورت تھی کہ جس میں شخصیات کو فرشتہ بنا کر پیش کرنے کی بجائے ایک عام آدمی بنا کر پیش کیا جائے اور خوبیوں کے ساتھ ان کی شخصی خامیوں کی طرف بھی اشارے کیے جائیں۔ اس ضرورت کو سب سے پہلے مرزا فرحت اللہ بیگ نے محسوس کیا اور اپنے استاد مولوی نذیر احمد دہلوی کا خاکہ لکھا اور اس میں واقعات بیان کرتے ہوئے وہ طریقہ اختیار کیا کہ مولوی نذیر احمد دہلوی کی شخصیت کے تمام نمایاں اوصاف سامنے آگئے اور وہ گوشت پوست کے ایک عام انسان کے روپ میں قاری کے سامنے آگئے۔ فرحت اللہ بیگ کے پاس اپنے استاد کی زندگی کے حالات وواقعات کا اتنا وافر ذخیرہ تھا کہ اگر وہ چاہتے تو مکمل سوانح لکھ سکتے تھے مگر انھوں نے خاکے کے انداز کو ترجیح دی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کا مزاج سوانح نگار کا نہیں مضمون نگار کا تھا۔ وہ اپنے مقصد میں اس حد تک کامیاب رہے کہ یہ خاکہ کئی سوانح عمریوں پر بھاری ہے۔ فرحت اللہ بیگ نے اس خاکے میں نذیر احمد کی زندگی کے بہت سارے واقعات پیش کرنے کی بجائے چند نمائندہ واقعات کو سامنے رکھا اور جس واقعے کو پیش کیا اس کی تفصیل بھی پیش کر دی ہے جس سے ان کے پیش کیے ہوئے واقعات کا تاثر بھرپور ہوتا ہے۔ اسی لیے اس خاکے کو نہ صرف پسند کیا گیا بلکہ اردو میں ایک نئی صنف کا باقاعدہ آغاز بھی ہو گیا۔ مرزا فرحت اللہ بیگ کے بعد جن خاکہ نگاروں نے خاکہ نگاری کی ترقی اور ارتقاء میں اہم کردار ادا کیا ان میں مولوی عبدالحق، رشید احمد صدیقی، عصمت چغتائی، سعادت حسن منٹو، شاہد احمد دہلوی، اشرف صبوحی دہلوی اور محمد طفیل کے نام خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ ان کے پیش کیے گئے خاکے اپنے فنی لوازمات کے اعتبار سے خاکے قرار دیے جاسکتے ہیں۔ مولوی عبدالحق اور رشید احمد صدیقی اس لحاظ سے اہمیت رکھتے ہیں کہ انھوں نے پہلی دفعہ شخصیت نگاری میں عام نچلے طبقے کے افراد کو موضوع بنایا اور انھیں اردو ادب میں امر کر دیا۔ عصمت چغتائی کے خاکے ''دوزخی'' کو ایک طرف اردو کا بہترین خاکہ قرار دیا جاتا رہا تو دوسری طرف کچھ نقادوں نے اسے خاکہ قرار دینے میں بھی تامّل کا مظاہرہ کیا لیکن یہ طے ہے کہ اپنی پیشکش کے اعتبار سے ''دوزخی'' اردو ادب کے شاہکار تحریروں میں شمار کیا جاتا رہے گا۔ سعادت حسن منٹو نے شخصیات کی خوبیوں اور خامیوں کو بنا کسی رعایت کے بیان کر دیا ہے اور خاص طور پر منفی پہلوؤں کو بیان کرتے ہوئے احترام

کے پہلوؤں کو سامنے نہیں رکھا۔منٹو نے شخصیات کی خوبیاں بہت کم گنوائی ہیں اور کمزوریوں کو خصوصاً جن کا تعلق زندگی کے ڈھکے چھپے پہلوؤں سے ہو،خوب کھول کر اور چٹخارے لے لے کر بیان کی ہیں۔(۳) سعادت حسن منٹو وہ پہلے خاکہ نگار ہیں جنھوں نے شخصیات کو حقیقی زندگی کے قریب تر دکھانے کی طرح ڈالی۔ یہ الگ بات کہ بعض اوقات ان کی حقیقت نگاری اکثر دل آزاری کی حد تک پہنچ جاتی ہے۔(۴) اشرف صبوحی دہلوی اور شاہد احمد دہلوی کے خاکوں میں دلی کی ٹکسالی زبان کا مزہ نمایاں ہے۔ انھوں نے روزمرہ محاوروں اور ضرب المثل کے خوب صورت استعمال سے اپنے خاکوں کو سجایا۔ اشرف صبوحی کی خاکہ نگاری کا محرک ماضی کی یاد اور ایک ایسی تہذیب سے محبت ہے جو اجڑ چکی ہے۔انھوں نے مرحوم دہلی کے چند ایسے کرداروں کو اپنے خاکوں کا موضوع بنایا ہے جو اس شہر کی تہذیبی یادگار اور تمدّنی علامت تھے۔(۵) شاہد احمد دہلوی کو حلیہ نگاری میں جو کمال حاصل تھا وہ شاید ہی کسی اور خاکہ نگار کو نصیب ہوا ہو۔ان کا پیش کیا گیا چہرا پڑھ کر اس شخصیت کے خدوخال بالکل نمایاں ہوجاتے ہیں۔ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے وہ لفظوں سے تصویر بنا رہے ہیں۔محمد طفیل خاکہ نگاری میں اس لیے نمایاں اہمیت کے حامل ہیں کہ انھوں نے صرف خاکہ نگاری میں طبع آزمائی کی۔گو کہ انھوں نے غیر معروف شخصیات پر قلم نہیں اٹھایا لیکن اس صنفِ ادب کو اسلوب اور لہجے کا نیا رجحان عطا کیا جن میں تراکیب، رنگین اصطلاحات اور شستہ محاورات سے ان کے لکھے گئے مضامین مالا مال ہیں۔(۶)

محمد طفیل کے بعد ممتاز مفتی، صادق الخیری، فارغ بخاری، ضمیر جعفری، میرزا ادیب، ایوب قادری، عطاء الحق قاسمی، نصراللہ خاں، اے حمید، رحیم گل اور احمد بشیر سمیت متعدد شاعروں ادیبوں نے خاکہ نگاری میں طبع آزمائی کی لیکن کوئی بھی اس صنف میں نمایاں مقام حاصل نہ کر سکا۔ اور اس صنف پر یکسانیت کے بادل چھائے ہوئے محسوس ہونے لگے اور کوئی نیا انداز اور منفرد خاکہ نگار سامنے نہ آ سکا۔ ایسے میں ڈاکٹر محمد اسلم فرخی نے خاکہ نگاری میں قدم رکھا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے خاکہ نگاری کے آسمان کے سب سے روشن ستارے بن کر جگمگانے لگے۔

ڈاکٹر اسلم فرخی صاحب شاعر، ادیب، نقاد، معلم اور بچوں کے ادیب بھی ہیں۔ انھیں روحانیت سے خاص لگاؤ ہے اور حضرت نظام الدین اولیاء سے خصوصی عقیدت بھی ہے اسی عقیدت کے پیشِ نظر وہ نظام الدین اولیاء اور دیگر بزرگوں کی شخصیت اور کمالات کے حوالے سے کئی کتابیں تصنیف کر چکے ہیں۔ اسلم فرخی صاحب نے تحقیقی کام محمد حسین آزاد پر کیا جو شائع ہو کر ادب کے قارئین سے داد و تحسین وصول کر چکا ہے۔لیکن ان سب کے باوجود انھیں اردو ادب میں شہرتِ دوام ان کی خاکہ نگاری کی بدولت حاصل ہوئی۔ اسلم فرخی صاحب نے نظام الدین اولیاء کا سوانحی خاکہ بھی تحریر کیا ہے لیکن اس خاکے میں عقیدت و محبت نمایاں طور پر محسوس ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ ان کی خاکوں کی چھے کتابیں ہیں جن میں ''گلدستۂ احباب'' ۱۹۹۴ء، ''آنگن میں ستارے'' ۲۰۰۱ء، ''لال سبز کبوتروں کی چھتری''، ۲۰۰۵ء، ''موسمِ بہار جیسے لوگ'' ۲۰۱۰ء، ''سات آسمان'' ۲۰۱۱ء(۷) اور ''رونقِ بزمِ جہاں'' ۲۰۱۴ء میں شائع ہوئے۔

اسلم فرخی کے خاکوں کا پہلا مجموعہ ''گلدستۂ احباب'' ہے جو ۱۹۹۴ء میں شائع ہوا۔جس میں سترہ (۱۷) خاکے شامل ہیں۔ ان میں چند مضامین وہ ہیں جو انھوں نے مختلف شخصیات کے حوالے سے تقریبات کے لیے لکھے اور پڑھے۔لیکن ان مضامین کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ مختصر ہونے کے باوجود صرف تعارفی یا تعریفی مضامین نہیں ہیں بلکہ ان میں بھی خاکوں کی خوبیاں موجود ہیں۔اپنے استاد ڈاکٹر غلام مصطفی خان پر لکھے گئے خاکے میں ان کی علمیت، روحانیت اور تدریسی خوبیوں اور ذاتی زندگی کے کچھ واقعات کو بڑی عقیدت اور محبت کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔اور استاد کی سیرت و اخلاق کے روشن پہلوؤں کو ہی نمایاں کیا گیا ہے۔تابش دہلوی اور شان الحق حقی پر تقریباتی مضامین ہیں۔جن میں ان کے مثبت پہلوؤں کو پیش کیا ہے لیکن کچھ خامیوں کو بھی اشاروں میں بیان کر دیا ہے۔اس کتاب کا سب سے اچھا خاکہ شاہد احمد دہلوی پر لکھا گیا ہے۔جس میں ان کی ادبی صلاحیتوں کے علاوہ ریڈیو سے وابستہ دلچسپ قصوں کو بھی بیان کیا ہے۔اس میں شاہد احمد دہلوی کی موسیقی کے ذوق، گانے کی مہارت اور موسیقی کے اسرار و رموز پر ان کی دسترس کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔

اسلم فرخی کے خاکوں کا دوسرا مجموعہ ''آنگن میں ستارے'' ۲۰۰۱ء میں شائع ہوا جس میں سترہ (۱۷) شخصی خاکے ہیں۔اس مجموعے کا انتساب ''شاہد احمد دہلوی'' کے نام ہے۔مجموعے میں چند خاکوں کے عنوانات تو موضوعِ خاکہ کے ناموں پر ہیں لیکن زیادہ تر خاکوں کے عنوانات شخصیت کے ناموں کے حوالے سے بہت دلچسپ اور کسی قدر ان کی شخصیت کا احاطہ کرتے ہوئے ہیں۔اس مجموعے میں ''حکیم چٹکلے باز'' سب سے عمدہ خاکہ ہے جس میں حکیم مانی صاحب کی شخصیت کو موضوع بنایا گیا ہے۔اس خاکے میں حکیم مانی صاحب کے سراپے، وضع قطع، عادات و اطوار کے ساتھ ساتھ حکمت پر ان کی ماہرانہ دسترس اور نسخے تجویز کرنے کی بجائے چٹکلوں کی صورت میں علاج تجویز کرنے کی تفصیلات کو بڑے دلچسپ انداز میں بیان کیا گیا ہے۔اس کے علاوہ ''حکیم چٹکلے باز'' کی جڑی بوٹیوں، سبزیوں اور پھولوں وغیرہ میں دلچسپی اور ان کے بارے میں وسیع معلومات کا تذکرہ بھی ہے۔ دیگر اہم خاکوں میں ''کس ادا کے ساتھ (ادا جعفری)''، ''نورعلیٰ نور (نورالحسن جعفری)''، ''پتلے اکرام'' اور ''کچھ احوال اپنے ضمیر کا (ضمیر نیازی)'' شامل ہیں۔

''لال سبز کبوتروں کی چھتری'' اسلم فرخی کا خاکوں کا تیسرا مجموعہ ہے جو ۲۰۰۵ء میں شائع ہوا۔نو (۹) خاکوں پر مشتمل اس مجموعے کا انتساب ''ڈاکٹر غلام مصطفی خان'' کے نام ہے۔ ان میں سے پانچ خاکے اسلم فرخی کے آبائی شہر ''فتح گڑھ'' سے تعلق رکھنے والی شخصیات پر ہیں جبکہ باقی چار خاکے دیگر قریبی دوست و احباب سے متعلق ہیں۔اس مجموعے میں یوں تو تقریباً تمام ہی خاکے عمدہ ہیں لیکن پھر بھی ''لذت آشنائے تلخیٔ دوراں (شوکت)''، رودادِ رسوائی (مرزا نعیم اللہ رسواؔ)، جانِ بیتاب (باجی آپا) اور ہوا الشّمس (شمس زبیری)، کے خاکے خاص طور پر اہم ہیں۔

''لذّتِ آشنائے تلخیٔ دوراں'' فتح گڑھ میں اسلم صاحب کے آبائی گھر میں مہمان کی حیثیت سے طویل عرصے تک رہنے والے ''شوکت'' کا خاکہ ہے جو اپنے والد کی وفات کے بعد ان کے کفن دفن کے پیسوں سے نشہ کرنے کی پاداش میں

بھائی بھابھی کی طرف سے گھر سے نکالا جاتا ہے اور پھر ساری عمر واپس نہیں جاتا بلکہ مہمان خانے کے مستقل فرد کی حیثیت اختیار کر جاتا ہے۔اس خاکے میں اس مہمان خانے کے مہمانوں کی نوک جھونک، جھگڑے، چائے اور افیم کے استعمال کے ذکر کے ساتھ اس محفل میں ''طلسمِ ہوش ربا'' کے قصوں کو بیان کیا گیا ہے۔اس خاکے میں ''شوکت'' کی شخصیت کے تمام اہم پہلوؤں بشمول مزاج، رویے، انا پرستی، اور کسی حالت میں بھی ہاتھ نہ پھیلانے اور بھائی، بھتیجے کی لاکھ منت سماجت کے باوجود کبھی دوبارہ اپنے گھر فرخ آباد نہ جانے کا بھی کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

''رودادِ رسوائی'' خاکے میں فتح گڑھ کچہری میں ملازم وکیل ''مرزا نعیم اللہ رسوا'' کو موضوع بنایا گیا ہے اور ان کی شخصیت، شاعری، مزاج کی تیزی اور پھر نرمی، مشاعروں کے انتظام و انصرام کے حوالے سے ان کی مصروفیات کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔اس خاکے میں ایک طرف تو ''مرزا نعیم اللہ رسوا'' کی شخصیت کے خدوخال نمایاں ہوتے ہیں تو دوسری طرف فتح گڑھ اور گردونواح میں ہونے والی تقریبات اور مشاعروں کا دلچسپ احوال بھی شامل کیا گیا ہے۔

''جانِ بیتاب'' اس مجموعے کا سب سے طویل خاکہ ہے جو مصنف کی قریبی عزیزہ جمیلہ آپا کا ہے جسے ''باجی آپا'' کے نام سے پکارا جاتا ہے۔یہ خاکہ سوانحی خاکہ ہے جس میں ''باجی آپا'' کی پیدائش سے لے کر ان کی زندگی کے تمام نشیب و فراز سمیت ان کی وفات تک کے اہم واقعات کو دلچسپ اسلوب میں بیان کیا گیا ہے۔ جمیلہ آپا جو فطرت کی ستم ظریفی کا شکار رہی اور قسمت کی خرابی نے ان کی شخصیت کو مزید پیچیدہ بنا دیا۔ اس خاکے میں ان کی شخصیت، سراپے، مزاج کی تلخی، خاندان کے افراد سے سلوک، اور دوسروں کے رویوں کے علاوہ ان کی اپنی طبیعت کی بے چینی اور بے تابی کو بھی تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ یہ خاکہ دلچسپ واقعات، مشترکہ خاندان کے معاملات، شادی بیاہ کی رونقیں، افرادِ خانہ کی سادگی، خلوص اور محبت کے جذبات بھی بیان کیے گئے ہیں۔ یہ خاکہ المیہ بھی اور طربیہ بھی اور اس کی پیشکش بھی افسانوی ہے۔ اس میں مکالمے، خواتین کی بات چیت اور اس دور میں رائج رسومات وغیرہ کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے۔

''ہُوا الشّمس''، مصنف کے دوست شمس زبیری کا خاکہ ہے جس میں ان کی ساری زندگی کی جدوجہد کی داستان پیش کی گئی ہے۔ اس میں ان کی ابتدائی زمانے کی بے پروائی، والد کی گمشدگی کے بعد بلند ہمّتی اور بہادری سے گھر کی ذمہ داریاں نبھانے اور گھر والوں کی آسائش کی خاطر مسلسل محنت اور جدوجہد سے نمایاں مقام حاصل کرنے کا ذکر کیا گیا ہے۔اس خاکے میں شمس زبیری کی حق گوئی، منہ پھٹ طبیعت، ٹرے پن کی حدوں کو پہنچتی بدمزاجی، بنا کسی لحاظ مروت کے اپنی بات کہنے کے علاوہ بعض اوقات غلط بات پر اڑے رہنے جیسی صفات کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے خاص طور پر ''نیاز فتح پوری'' کے ساتھ ہونے والے واقعہ بڑا دلچسپ ہے کہ جب شمس زبیری نیاز فتح پوری کی علمیت سے متاثر ہو کر دلّی سے لکھنؤ سے ملنے آئے تو شمس نے تعارف کروایا کہ ''میں شاعر ہوں، آپ سے ملنے آیا ہوں اور آپ کو دیکھنا چاہتا تھا۔جس پر نیاز صاحب یہ کہہ کر پھر کام میں لگ گئے کہ ''تو پھر ملیے اور دیکھیے''۔ کچھ دیر تو شمس برداشت کرتے رہے اور پھر یہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے کہ: ''بڑی

مدت سے انتہائی بد اخلاق آدمی کو دیکھنے کی خواہش تھی۔ الحمد للہ آج یہ خواہش پوری ہوگئی۔''(۸) اس طرح کے متعدد واقعات کے علاوہ ریڈیو کی ملازمت کے دوران ''مصلحِ تلفّظ'' کی حیثیت سے تلفّظ کی درستی کے حوالے سے ان کی سخت محنت کی تفصیلات پیش کی گئی ہیں۔ اور ان کے ادبی مجلّے ''نقش'' کے بارے میں بھی اہم باتوں کو بیان کیا ہے اور ہر شعبے میں نمایاں مقام حاصل کرنے میں ان کی مستقل مزاجی اور کام سے رغبت ومحبت کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔

اس مجموعے سے موضوع شخصیات کے علاوہ اس دور میں فرخ آباد اور فتح پور کے ادبی اور سماجی پہلوؤں سے آگاہی ہوجاتی ہے اور ساتھ ہی اس دور کی گھریلو زندگی کا عکس بھی نمایاں ہوجاتا ہے۔ ''لال سبز کبوتروں کی چھتری'' مجموعے میں شامل خاکوں کی مقبولیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ چند ہی سالوں میں یہ کتاب نایاب ہوگئی اور اس کا دوسرا ایڈیشن ۲۰۱۳ء میں شائع ہوا۔

ڈاکٹر اسلم فرخی کا خاکوں کا چوتھا مجموعہ ''موسمِ بہار جیسے لوگ'' کے نام سے ۲۰۱۰ء میں شائع ہوا۔جس کا انتساب ''نذرِعقیدت'' کے عنوان سے ان کے والد ''محمد احسن فرخی'' اور والدہ ''نادر جہاں بیگم'' کے نام ہے۔اس مجموعے میں چودہ (۱۴) خاکے ہیں۔ دو خاکوں کے عنوانات شخصیات کے ناموں پر ہیں جبکہ دیگر خاکوں کے عنوانات ان شخصیات کے ناموں کی نسبت سے اردو، فارسی کی ترکیب یا مصرع پر رکھے گئے ہیں۔اس مجموعے کے عمدہ خاکوں میں شاہد احمد دہلوی، محمد احسن فاروقی، مشفق خواجہ اور مشتاق احمد یوسفی پر لکھے خاکے شامل ہیں۔خصوصاً ڈاکٹر محمد احسن فاروقی پر لکھے گئے خاکے کو اسلم فرخی کے بہترین خاکوں میں شمار کیا جا سکتا ہے۔

ڈاکٹر محمد احسن فاروقی کا خاکہ ''بادیہ پیمائے آرزو'' کے نام سے ہے جس میں ان کے سراپے، لباس، گفتگو کے علاوہ ان کی انگریزی کے علاوہ اردو، فارسی اور فرانسیسی ادب پر غیر معمولی مہارت اور تدریسی صلاحیتوں کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔ اس خاکے میں محمد احسن فاروقی کی بعض خامیوں کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے جیسے وہ بہت زیادہ بولتے تھے اور دوسرے کی ذرا کم سنتے تھے۔کوئی سوال پوچھ بیٹھے تو وقت اور جگہ سے بے نیاز ہوکر بے تکان اس کا جواب دینے لگتے۔ ان کی طبیعت میں بے چینی، بے قراری اور اضطراب تھا جس کے باعث ہر کام فوراً کرنا چاہتے تھے۔مطالعہ غیر معمولی تھا اس لیے جب کسی موضوع پر بات کرتے تو ان پر بے خودی کی کیفیت طاری ہوجاتی اور وہ علم کے موتی لٹاتے رہتے۔ ان کی شخصیت میں غیر معمولی قابلیت کے ساتھ سادگی اور معصومیت بھی تھی۔خاکہ نگار (اسلم فرخی) نے اعتراف کیا ہے کہ: ''میں نے اتنی محبت، خلوص اور سرشاری کے ساتھ پڑھانے والا اور کوئی نہیں دیکھا۔'' اس خاکے میں احسن فاروقی کی شعبۂ انگریزی کے اساتذہ کی سازشوں کی وجہ سے علیحدگی اور پھر معاشی پریشانیوں کے سبب سائیکل پر کتابیں پہنچانے جیسے معمولی کام کرنے کا ذکر بھی کیا ہے جس سے خاکے میں المیے کی کیفیت پیدا ہوگئی ہے۔ان کے علاوہ ڈاکٹر محمد احسن فاروقی کی تصانیف میں ناولوں، تنقیدی کتابوں اور مضامین کا تذکرہ بھی کیا ہے۔

مشفق خواجہ کا خاکہ ''مشفقِ من'' کے نام سے ان کی وفات کے بعد لکھا گیا ہے۔ اس خاکے میں مشفق خواجہ سے ہونے والی ملاقاتوں اور ان کے ساتھ کام کے دوران پیش آنے والے واقعات کو بیان کیا گیا ہے۔ اس خاکے میں مشفق خواجہ کی علمیت، جدید و قدیم ادب پر گہری نظر کے ساتھ ساتھ ان کے سراپے اور مزاج کی تفصیلات بھی بیان کی گئی ہیں۔ خاکہ نگار کے مطابق مشفق خواجہ اظہار رائے میں بے باک اور ہمیشہ کچھ کرتے رہنے کی جستجو میں رہے۔ اور ساری زندگی لگے بندھے اصولوں کی پاسداری میں گزار دی۔

مشتاق احمد یوسفی پر لکھا گیا خاکہ ''خوشبوئے یوسفی'' دبئی میں ہونے والے ''جشنِ مشتاق احمد یوسفی'' کا صدارتی خطبہ ہے جو انھوں نے تقریب میں پیش کیا۔ اس خاکے میں ان کی تصانیف کی بجائے ان کی شخصیت کو موضوع بنایا گیا ہے۔ اس میں یوسفی صاحب کے سراپے کے ساتھ ان کی شخصیت اور مزاج کے مختلف پہلوؤں کو بڑی عمدگی سے بیان کیا گیا ہے۔ خاکے کا آغاز مولانا محمد حسین آزاد کے انداز میں مرصع نثر سے کیا گیا ہے اور انھیں ''طنز و مزاح کے ایوانِ عالی شان کی مسندِ زرنگار'' کا ''مسند نشین'' اور اردو ادب کا ''اپ رائٹ'' آدمی قرار دیا ہے۔ اس خاکے میں یوسفی صاحب کی شخصیت کے ساتھ ان کے کردار، اخلاص، مروت اور انسان دوستی جیسی صفات کا ذکر کیا گیا ہے۔

اس مجموعے کے دیگر اہم خاکوں میں مولانا رازق الخیری، منذر احمد بی اے، ایل ایل بی''، شاہد احمد دہلوی اور عبدالسلام کے خاکے شامل ہیں۔ یہ خاکے عمدہ اور خاکوں کے لوازمات سے بھرپور ہیں جن سے نہ صرف شخصیات کے ظاہری پہلوؤں سے آگاہی حاصل ہوجاتی ہے بلکہ ان شخصیات کے مزاج اور دلچسپیوں کی تفصیلات بھی سامنے آجاتی ہیں۔ اہم بات یہ ہے کہ تعزیتی خاکوں میں بھی اسلم فرخی صاحب نے شخصیات کی مرقع نگاری بہت عمدہ کی ہے اور موضوعِ خاکہ کے تمام اہم پہلوؤں کو بیان کر دیا ہے۔

اسلم فرخی صاحب کے مجموعے ''سات آسمان'' میں اردو کے کلاسیکل شعراء میر تقی میرؔ، میرزا رفیع سوداؔ، خواجہ میر دردؔ، غلام ہمدانی مصحفیؔ، حیدر علی آتشؔ، امام بخش ناسخؔ اور شیخ ابراہیم ذوقؔ کے شخصی خاکے تحریر کیے ہیں۔ ان خاکوں کو بعض محققین اور نقاد ''خاکے'' قرار نہیں دیتے کیوں کہ اس میں شامل شعراء میں سے کسی سے بھی خاکہ نگار براہِ راست واقف نہیں تھے لیکن انھوں نے اپنے گہرے مطالعے اور عمیق مشاہدے سے ان شخصیات کی ایسی تصویر کشی کی ہے کہ محسوس ہی نہیں ہوتا کہ وہ شخصیات ماضی کی ہیں یا یہ خاکے آج کے دور میں لکھے گئے ہیں۔

''سات آسمان'' میں شامل خاکے اگرچہ خیالی انداز میں لکھے گئے ہیں لیکن اس میں شامل اکثر واقعات حقیقت پر مبنی ہیں۔ ڈاکٹر اسلم فرخی نے اپنے منفرد اور دلچسپ اسلوب میں ان شعرا کی زندگی کے خوب صورت مرقعے پیش کیے ہیں جن سے نہ صرف ان شعرا کی زندگی اور سماجی و ادبی زندگی کی تفصیلات سامنے آتی ہیں بلکہ اس دور میں شعر و شاعری اور ادب کا معاشرے میں مقام و مرتبے اور اہمیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ ان خاکوں کی ایک انفرادیت یہ بھی ہے کہ اسلم فرخی صاحب

نے ان میں تمام شعرا کے رنگِ سخن اور ذوقِ طبیعت کا بھی پورا خیال رکھا ہے۔ ان خاکوں میں شعراء کی حقیقی زندگی کا عکس بھی ہے اور ان کی شاعری کی شہرت و مقبولیت کی تفصیلات بھی ہیں۔ اگر اسلم فرخی صاحب اس سلسلے کو جاری رکھتے تو اردو شعرا کے بہترین مرقّع ادب کے قارئین کو میسّر آتے۔

اگرچہ اسلم فرخی صاحب ''سات آسمان'' میں شامل خاکوں کی موضوع شخصیات سے ذاتی طور پر نہیں ملے ہیں لیکن اس کے علاوہ ان خاکوں میں وہ تمام خوبیاں موجود ہیں جو ایک اچھے خاکے میں ہونی چاہئیں۔ اس سے کچھ لوگ اختلاف کر سکتے ہیں لیکن راقم کی رائے میں ان خاکوں کو ''خیالی خاکے'' کہنا چاہیے۔ اسلم فرخی صاحب کی خاکہ نگاری کی خصوصیات اور ان کے اسلوب کی دلکشی کا ایک رنگ ان خاکوں میں بھی نمایاں ہوتا ہے۔

اسلم فرخی کے شخصی خاکوں کا چھٹا اور آخری مجموعہ ''رونقِ بزمِ جہاں'' کے نام سے ۲۰۱۴ء میں شائع ہوا۔ اس مجموعے میں مولانا محمد حسین آزادؔ خیالی خاکے سمیت دس خاکے شامل ہیں۔ محمد حسین آزادؔ کا خاکہ ان کی صد سالہ تقریبات کے موقع پر لاہور میں پڑھا گیا تھا۔ اور یہ ان کی تصنیف ''نگارستانِ آزادؔ'' کا سرنامہ بھی ہے۔ آزادؔ کے علاوہ مولوی محمد شفیع، انور احسن صدیقی، اختر صاحب، لطیف الزمان، یعقوب لطیف، سید حسن فیروز، شبیر علی کاظمی، مہادیو اور معین الدین حزیںؔ کاشمیری کے خاکے شامل ہیں۔

اس مجموعے میں شامل خاکوں میں اکثر خاکے یادنگاری کا مجموعہ نظر آتے ہیں۔ یہ خاکے مصنف (اسلم فرخی) نے عمر کے آخری حصے میں لکھے ہیں اور ان خاکوں میں انھوں نے ماضی کے حسین دور کی کچھ یادوں کو کچھ شخصیات کے ذریعے تازہ کیا ہے۔ ان خاکوں میں اداسی اور دکھ کی کیفیت واضح طور پر محسوس ہوتی ہے لیکن یہ بالکل فطری ہے کہ عمر کے آخری حصے میں اپنی زندگی کے بہترین ساتھیوں کی یادیں کسی طور پر بھی صرف خوش گوار نہیں ہوسکتی۔ اکثر شخصیات چوں کہ ان خاکوں کی تکمیل سے پہلے ہی وفات پا چکی ہیں لہٰذا رنج و الم اور اداسی کی کیفیت نمایاں ہے خاص طور پر اپنے چھوٹے بھائی انور احسن صدیقی کے خاکے میں پیار، محبت، خلوص اور ہمدردی کے ساتھ ان کے بچھڑنے کا دکھ بھی واضح نظر آتا ہے۔ انھوں نے اپنے چھوٹے بھائی کی خوبیوں کا ذکر فراخ دلی کے ساتھ کیا ہے۔ اور ان کی وفات کا ذکر کرتے ہوئے مایوسی اور دکھ کی شدید کیفیت میں ڈوب جاتے ہیں۔

ڈاکٹر اسلم فرخی صاحب کی خاکہ نگاری کا مجموعی جائزہ:

ڈاکٹر اسلم فرخی اردو خاکہ نگاری کا بڑا نام ہے۔ انھوں نے اپنے خاکوں میں خاکہ نگاری کے تمام تر فنی لوازمات کا خیال رکھا ہے اور خاکوں کی موضوع شخصیات کے تمام اہم پہلوؤں، خوبیوں اور خامیوں کے علاوہ سراپے، لباس، گفتگو، مزاج، رویے اور ان کی پسند ناپسند اور ان کی علمی، ادبی، مذہبی یا سماجی خدمات کو بھی تجربات، مشاہدات اور واقعات کے پس منظر میں

بیان کیا ہے۔ ان کے خاکوں کی بڑی خوبی یہی ہے کہ وہ موضوع شخصیات کے ہر اہم پہلو کو بڑی خوب صورتی سے بیان کر دیتے ہیں۔ جس سے شخصیات کے حوالے سے تشنگی کا احساس نہیں ہوتا۔

ڈاکٹر اسلم فرخی کے خاکے سراپا نگاری (حلیہ نگاری) کا عمدہ نمونہ ہیں۔ انھوں نے بعض شخصیات کے سراپے اس مہارت سے پیش کیے ہیں کہ ان سے شخصیات کے خدو خال بالکل واضح ہوجاتے ہیں اور یوں محسوس ہوتا ہے جیسے انھوں نے لفظوں سے تصویر کھینچ دی ہو۔ ان کی تصویر کشی اتنی جامع اور حقیقت سے قریب ہوتی ہے کہ مذکورہ شخصیت ہماری نگاہوں کے سامنے آجاتی ہے۔ حکیم چٹکلے باز میں حکیم مانی کا سراپا یوں بیان کیا ہے:

> ''چھوٹا قد۔۔۔۔۔چھوٹا کیا، ناٹا۔ متوسط جسم۔ لمبوترا چہرا۔ جھرّیوں سے ڈھکا ہوا۔ آنکھیں چھوٹی چھوٹی۔ اندر کو دھنسی ہوئی۔ ماتھا چوڑا۔ گہرا سیاہ رنگ۔ بھاری اور گونجیلی آواز۔ سر پر جناح کیپ۔ معمولی ریشمی شیروانی، استری سے بے نیاز۔ سارے بٹن کھلے ہوئے۔ دونوں دامن ادھر ادھر لہراتے ہوئے۔ علی گڑھ کاٹ کا پیجامہ۔ پیروں میں دھول سے اٹا ہوا معمولی اور بدرنگ جوتا۔ کرسی پر اس طرح براجمان تھے کہ ایک پیر دوسرے پیر پر تھا۔ چہرے مہرے سے کسی قدر بے چینی کا اظہار۔''(۹)

اس کے علاوہ بعض سراپے انھوں نے روایتی انداز سے ہٹ کر بیان کیے ہیں جس میں شخصیت کے ظاہری نقوش اور ان کے خدو خال کے ذریعے ان کی نمایاں خوبیاں، خامیاں، اور کمزوریاں بھی سامنے آجاتی ہیں۔ وہ ظاہری حالت سے شخصیت کا ایسا نقشہ کھینچتے ہیں کہ موضوعِ خاکہ کی شخصیت کے ساتھ اس کی سوچ، خیالات، کیفیات، مزاج اور دیگر پہلو بھی نمایاں ہوجاتے ہیں۔ جیسے ڈاکٹر محمد احسن فاروقی کے خاکے ''بادیہ پیمائے آرزو'' میں ان کے سراپے کو یوں بیان کیا ہے۔

> 'مل گجی قمیص۔ مل گجی پیجامہ۔ لمبا قد۔ انھیں دیکھ کر مجھے دلی کے معماروں کی ایک اصطلاح یاد آئی، ''شیر دہاں''۔۔۔ان کا چہرا شیر دہاں تھا۔ بہت چوڑا، بہت بڑا سر، پھیلا ہوا دہانا، آنکھوں پر عینک تھی مگر عینک کے پیچھے ایک شوخ اور شریر بچّے کے منھ چڑانے کی جھلک تھی۔ کلّے جبڑے سے اعتماد ٹپکتا ہوا مگر چہرے کے علاوہ باقی جسم کا انداز ڈھیلا ڈھالا سا تھا۔ ہاتھ پیر بڑے ہونے کے باوجود کچھ لجلجے۔ انداز میں بے چینی۔ پان کھا نہیں رہے تھے چبا رہے تھے۔ میں سلام کر کے انھی کے برابر بیٹھ گیا۔ ذرا دیر میں انھوں نے کلائی سے گھڑی اتاری اور اس کی زنجیر سے کھیلنے لگے۔ کچھ عجیب بے چینی تھی۔ میرا تاثر یہ تھا کہ ان کی رگِ تخلیق پھڑک رہی ہے اور ان کا ذہن تقریر یا تحریر کے ذریعے سے کچھ نہ کچھ اظہار کرنے کے لیے بے تاب ہے۔''(۱۰)

اس اقتباس سے محمد احسن فاروقی کی شخصیت کے ظاہری اور باطنی کیفیات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے اور تفصیلات میں ان کی شخصیت کی یہ پرت نمایاں بھی ہوتی ہے۔ خاکہ نگار نے بڑی عمدگی سے موضوعِ خاکہ کی طبیعت اور مزاج کو بیان کر دیا ہے۔

اس کے علاوہ بعض خاکوں انھوں نے مختصر لیکن منفرد انداز میں موضوعِ خاکہ کا تعارف کرایا ہے جس سے موضوعِ خاکہ کی شخصیت کا تصور ذہن میں نمایاں ہوجاتا ہے۔ جیسے معروف شاعر ڈاکٹر پیرزادہ قاسم کا سراپا یوں بیان کیا ہے:

> ''مجھے پیرزادہ کی بکھری ہوئی زلفوں سے اردو شاعری کی زلفِ پریشان کا خیال آتا ہے شکل وصورت، وضع قطع، چہرے مہرے سب سے شرافت، تحمل، وضع داری اور معصومیت کا خوش گوار اظہار، اردو غزل میں محبوب کے سراپے کے بارے میں جو کچھ کہا جاتا ہے ماسوائے ستم گری اور سنگ دلی کے، سب پیرزادہ کی شخصیت میں نظر آتا ہے۔''(۱۱)

اسلم فرخی صاحب کی خاکہ نگاری کی خصوصیات میں جزئیات نگاری بھی قابلِ ذکر ہے۔ وہ کسی بھی شے یا واقعے کا تذکرہ کرتے ہوئے چھوٹی چھوٹی چیزوں کو بھی نظر انداز نہیں کرتے اور ہر پہلو کو نہایت تفصیل سے بیان کرتے ہیں جس سے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے پردۂ اسکرین پر فلم چل رہی ہو۔ ضمیر نیازی کے خاکے میں ان کے کمرے کا نقشہ یوں کھینچتے ہیں:

> ''ہم لوگ ایک سادہ سے کمرے میں لے جائے گئے۔ درمیان میں دہری مسہری، مسہری پر چھپا ہوا خوش رنگ روشن روشن بالا پوش، سرہانے چند تصویریں، تصویر بتاں نہیں، بلکہ نمایاں ترین تصویر میں ''عندلیبِ گلشنِ نا آفریدہ'' مرزا اسد اللہ خان غالبؔ کسی فکر میں محو۔ الٹے ہاتھ پر ایک نیچی چھوٹی میز پر آکسفرڈ، آکسفرڈ کی انگریزی حوالوں کی ڈکشنری، اکیسویں صدی کی چیمبرس ڈکشنری، دو چار اور بھاری بھرکم ڈکشنریاں جن سے یہ اندازہ آسان تھا کہ اس کمرے کے باسی کو انگریزی زبان کی صحت سے غیر معمولی دلچسپی ہے۔ سیدھے ہاتھ کی طرف دیوار سے لگے ہوئے چھوٹے چھوٹے ریک جن میں کتابیں ٹھنسی ہوئی۔ پورے کمرے میں ہر طرف کتابیں ہی کتابیں مسہری پر سیدھے ہاتھ کی طرف ریڈیو، دو چار اخبار، علم و دانش اور آگاہی کی فضا۔''(۱۲)

اسی طرح مشفق خواجہ کے خاکے ''اے مشفقِ من'' میں انجمن کے دفتر کا نقشہ یوں بیان کرتے ہیں:

> ''بڑے گیٹ کے اندر گئے۔ دائیں ہاتھ پر اردو کالج، بائیں پر انجمن کی عمارت۔

نیچے دائیں ہاتھ پر زینہ اور کتب خانۂ عام۔ بائیں ہاتھ پر کتابوں کے گودام، زینے سے پہلی منزل پر پہنچے۔ سامنے ایک چھوٹا سا صحن، بابائے اردو کا کمرہ، ان کے پہلو میں ایک چھوٹی سی کوٹھی، ایک زینہ اور طے کیا۔ بہت بڑے کمرے میں کتب خانۂ خاص۔ پہلو میں وہی پہلی منزل والی چھوٹی سی کوٹھی۔ اسی کوٹھی میں ایک میز، تین چار کرسیاں، درمیان میں خواجہ صاحب براجمان، میز پر اخباروں، رسالوں اور ڈاک کا انبار۔''(۱۳)

اس کے علاوہ بعض اوقات سراپا بیان کرتے ہوئے بھی جزئیات کا خیال رکھتے ہیں جس سے اس شخصیت کے سراپے کے ساتھ اس کے مزاج اور پسند ناپسند سے آگاہی ہو جاتی ہے۔

''ناٹا قد، گھٹا ہوا سر، رنگ گہرا سانولا جو افیم کی وجہ سے کلجّھواں ہو گیا تھا۔ چیاں سی دو آنکھیں، پچکے ہوئے کلّے، تنگ پیشانی، ڈھیلے ڈھالے ہاتھ پیر۔ الجھی ہوئی لٹکواں ڈاڑھی۔ میرے بچپن میں کالی تھی۔ میرے دیکھتے دیکھتے سفید ہو گئی تھی۔ کمر میں ہلکا سا خم، موٹے موٹے ہونٹ، کالے کالے دانت جیسے مسّی بیچتے بیچتے خود مل لی ہو۔ آواز میں کرارا پن۔ گرمیاں ہوئیں تو بدن سے ننگے۔ لنگوٹی لگی ہوئی۔ جاڑوں میں تہہ بند بندھا ہوا مگر سر پر دوپلّی ضرور ہوتی تھی۔ گردن میلی چکٹ، پیٹھ اور پیٹ پر میل کی تہیں جمی ہوئی۔ جاڑوں میں کرتا اور مرزئی۔ جوتے کا روگ نہیں پالتے تھے۔ دھول مٹّی میں اٹے رہنے کی وجہ سے پانو [پاؤں] بالکل سیاہ ہو گئے تھے۔ نہانے کے نام سے دور بھاگتے تھے۔ نجانے کبھی منھ بھی دھوتے تھے یا نہیں۔ ادھر کسی نے نہانے کا نام لیا اور انھوں نے کنّی کاٹی۔''(۱۴)

اسلم فرخی صاحب کے خاکوں کی ایک خوبی ان کی پیشکش کا انداز ہے۔ خاکوں میں موضوع شخصیات کی خوبیوں کے ساتھ ساتھ ان کی خامیوں کا تذکرہ بھی کیا جاتا ہے تاکہ موضوع شخصیت کے تمام پہلوؤں کا احاطہ ہو جائے۔ لیکن کسی بھی شخصیت کی خامیوں کو بیان کرنا بہت نازک اور مشکل ہوتا ہے۔ اس کے لیے ایسا طریقہ اختیار کرنے کی ضرورت ہوتی ہے کہ موضوعِ خاکہ کا مجموعی تاثر منفی نہ ہو جائے اور نہ ہی موضوعِ خاکہ سے تعلقات اور دوستی میں دراڑ پڑے۔ اس لیے اس میں حد درجہ احتیاط ملحوظِ خاطر رکھنا پڑتی ہے۔ اسلم فرخی صاحب کے ہاں یہ احتیاط نمایاں ہے۔ وہ موضوعِ خاکہ کی خامیوں کا تذکرہ بھی اس خوب صورت انداز میں کرتے ہیں کہ وہ خامی بجائے خامی کے شخصیت کے مزاج اور خلوص کا حصہ معلوم ہوتا ہے اور اس شخصیت کی فطری سادگی اور معصومیت نظر آنے لگتی ہے اور ان کے بارے میں کوئی منفی تاثر قائم نہیں ہوتا بلکہ مثبت اور ہمدردانہ

بلکہ کسی قدر لطیف تاثر قائم ہوجاتا ہے۔ شیخ اکرام احمد کے خاکے میں ان کے بارے میں یوں لکھتے ہیں:

''دشمنوں اور حریفوں کا ذکر برائی اور مذمت سے کرتے۔ باقی کسی کے لیے ناملائم الفاظ استعمال نہیں کرتے تھے۔ ایک ادبی رسالے کے مدیر سے انھیں چڑ تھی۔ چڑ کیوں تھی بظاہر کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی شاید ان کی خفیف الحرکاتی سے چڑ گئے تھے۔ ان کی حرکات وسکنات پر گہری نظر رکھتے۔ ہر آنے جانے، ملنے جلنے والے کو ان کے سازشی ذہن اور کرتوتوں سے آگاہ کرتے رہتے۔ جب زیادہ غصے میں ہوتے تو ان کے خلاف ایک عدد پوسٹر نکالنے کا ارادہ بھی ظاہر کرتے لیکن ان کی یہ دھمکی کبھی عمل میں نہیں آئی۔ اور ادھر دھمکی میں مر گیا جو نہ بابِ نبرد تھا۔''(۱۵)

اسی طرح محمد حلیم چشتی صاحب کے خاکے میں ان کا ایک واقعہ یوں بیان کرتے ہیں:

''بکنگ کلرک سے ٹکٹ کے لیے کہا۔ اس نے کہا، ''کوئی نشست نہیں ہے۔'' انھوں نے اس کی طرف دیکھا۔ پوچھا ''تمھیں کتنی تنخواہ ملتی ہے۔'' اس نے کچھ رقم بتائی۔ حلیم میاں نے جیب میں ہاتھ ڈالا۔ اس کلرک کی ایک مہینے کی تنخواہ سے بہت زیادہ رقم نکالی۔ کلرک کے سامنے پھینک دی پھر کہا، ''لو گن لو تمھاری ایک مہینے کی تنخواہ سے زیادہ رقم ہے۔ ٹکٹ فوراً بنادو۔'' ٹکٹ فوراً بن گیا۔ ممکن ہے بعض لوگ اس واقعے کو مٹھی گرم کرنے کے غیر قانونی انداز پر محمول کریں مگر میرے نزدیک یہ صرف حلیم میاں کی ہیکڑی کا اظہار تھا۔ وہ اپنی بات نیچی ہوتے نہیں دیکھ سکتے تھے۔''(۱۶)

بظاہر اس واقعے میں ایک سماجی برائی کا ذکر ہے لیکن یہ واقعہ پڑھتے ہوئے شخصیت کا منفی تاثر نہیں ابھرتا بلکہ ان کی مہمان نوازی، خلوص اور محبت کا تصور ابھرتا ہے جو ہر حال میں اپنے مہمانوں کی آسائش کا خیال رکھتا ہے۔ اور اس کے لیے کسی غیر قانونی عمل سے بھی دریغ نہیں کرتا۔ محب عارفی کے خاکے میں احمد ہمدانی کا ذکر یوں کیا ہے:

''انھوں نے بیٹھے بیٹھے ہاتھ بڑھا کر کتابوں کی الماری سے اپنا مجموعہ ''پیاسی زمین'' نکالا اور غزل شروع کر دی۔ ہمدانی بھی چھوٹی بحر کے شناور ہیں۔ غزل خوب کہتے ہیں۔ بڑے سلیقے اور اہتمام سے کہتے ہیں۔ جتنی اچھی غزل کہتے ہیں، اتنا ہی بُرا پڑھتے ہیں۔ پڑھتے کیا ہیں مُنھ ہی مُنھ میں بُد بُداتے رہتے ہیں۔ نشستوں میں تو کام چل جاتا تھا لیکن مشاعروں میں لوگ انھیں توجہ سے نہیں سنتے۔''(۱۷)

اس کے علاوہ ڈاکٹر محمد احسن فاروقی کے خاکے میں ان کی عجلت پسندی اور گھبراہٹ کو یوں بیان کیا ہے:

''ڈاکٹر صاحب (محمد احسن فاروقی) میرے ساتھ برٹش کونسل گئے۔ لائبریری دیکھ کر خوش ہوئے پھر میں انھیں اوون (برٹش کونسل کی مقامی شاخ کے سربراہ) سے ملانے لے گیا۔ اوون بڑے تپاک سے پیش آیا۔ گفتگو ہوئی تو وہ ڈاکٹر صاحب کے علم سے مسحور ہوگیا۔ چائے منگوائی، بیرا چائے لے کر آرہا تھا کہ ڈاکٹر صاحب کرسی سے اٹھے۔ جھپٹ کر اس کے پاس گئے۔ ایک پیالی اٹھائی۔ سڑپ سڑپ کرکے وہیں کھڑے کھڑے چائے پی۔ پیالی طشتری میں اوندھائی۔ جھپٹ کر واپس آئے۔ اپنی کرسی پر بیٹھے اور پھر گفتگو شروع کردی مجھ پر گھڑوں پانی پڑ گیا۔''(۱۸)

خاکہ اور افسانے کا فن کئی اعتبار سے آپس میں مماثلت رکھتا ہے۔ خصوصاً دونوں میں فنی و تیکنیکی لحاظ سے وحدتِ تاثر کی مشترکہ خصوصیت پائی جاتی ہے۔ ایک عمدہ خاکے میں افسانے کی طرح وحدتِ تاثر ضرور ہوتا ہے۔ یعنی خاکہ نگار کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے ممدوح کو ہی مرکزِ نگاہ بنائے اور اس کے تعلق سے اس کی شخصیت کے خدوخال واضح کرے اگر خاکہ نگار ایسا نہیں کرتا تو ایک اچھا خاکہ تخلیق نہیں ہوسکتا۔ اسلم فرخی صاحب کے اکثر خاکوں میں یہ خوبی نمایاں ہے۔ ڈاکٹر اسلم فرخی صاحب کے خاکے اپنے آپ کو خود پڑھواتے ہیں۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ان کے خاکوں میں افسانوی ادب کی چاشنی موجود ہے جس کی وجہ سے خاکے میں قاری کی دلچسپی برقرار رہتی ہے۔ ان کے اکثر خاکوں کے آغاز و انجام پر کسی بہترین افسانے کا گمان ہوتا ہے۔ جیسے ان کے خاکے ''تلاشِ وفا'' کا آغاز دیکھیں:

''بچّے تھے تو برسات کی راتوں میں جگنو پکڑنے کے شوق میں دوڑے دوڑے پھرتے تھے۔ اِدھر کوئی جگنو ہاتھ آیا اور جھٹ پٹ اسے دامن میں چھپایا۔ بوڑھے ہوگئے تو پرانی یادوں کے جگنو پکڑنے کے لیے مارے مارے پھرتے ہیں مگر نہ جانے ایسے کتنے جگنو ہیں کہ ہر طرف اُڑتے پھرتے ہیں۔ لمحے بھر کے لیے اجالا کردیتے ہیں اور تاریکی میں ڈوب جاتے ہیں۔''(۱۹)

اس کے علاوہ مولوی ثناالحق صدیقی کے خاکے میں سے یہ اقتباس ملاحظہ ہو:

''نہ خوں چکاں تھا نہ کروڑوں بناؤ تھے۔ مسہری پر چادر بچھی ہوئی تھی جس پر ایک پوپلے منھ والا مرد ضعیف و نحیف سفید چادروں میں لپٹا ابدی نیند سو رہا تھا۔ چہرے پر معصومیت اور تحیّر کی ہلکی سی چھوٹ۔ یہ محسوس ہو رہا تھا کہ سونے والا آخر کار تھک کر سو گیا ہے۔''(۲۰)

ان مثالوں کے علاوہ ان کے چند خاکے تو کرداری افسانے کا شاہکار ہیں۔ خصوصاً ان کے مجموعے ''لال سبز کبوتروں

کی چھتری'' میں شامل تین خاکے لذّتِ آشنائے تلخیٔ دوراں (شوکت)، رودادِ رسوائی (مرزا نعیم اللہ رسوا) اور جانِ بے تاب (جمیلہ، باجی آپا) کرداری افسانوں کی عمدہ مثال ہیں۔ ان خاکوں میں واقعات کے ارتقاء کے ساتھ ساتھ کرداری ارتقاء نمایاں ہے۔ اس کیفیت کا سب سے نمائندہ خاکہ جانِ بیتاب ہے جس میں ان کی پیدائش اور خاندانی پس منظر سے لے کر ان کی شادی، اور پاکستان واپسی سے لے کر ان کی وفات تک کی تفصیلات بڑے مناسب انداز میں بیان کی گئی ہیں جن سے موضوعِ خاکہ کی شخصیت کے مختلف پہلو قاری کے سامنے آ جاتے ہیں۔ انھوں نے اس خاکے کو اردو خاکہ نگاری کا لاثانی کردار بنا دیا ہے۔ اس خاکے میں کردار واقعات پر غالب ہیں۔ ''بات بات پر دہل جانے والی، سسرال میں چپ سادھنے والی، اپنی تنہائی اور اکیلے پن سے ڈرنے والی اور سوتن کے آنے کے بعد ہارے ہوئے سپاہی کی طرح میدانِ جنگ چھوڑنے والی باجی آپا کی شخصیت کا روز بروز بڑھتا ہوئی تنہائی، بدمزاجی، بحثا بحثی، کاہلی، آدم بیزاری، چڑچڑاپن، بے حسی اور بات بات پر بگڑنا اور زمین آسمان ایک کر دینا، قاری کو مسلسل تحیّر اور تجسّس میں گرفتار رکھتا ہے۔''(۲۱)

ڈاکٹر اسلم فرخی صاحب کے خاکوں میں سنجیدگی اور متانت کے ساتھ ظرافت کا عنصر بھی پایا جاتا ہے۔ وہ اپنے خاکوں میں مزاح کا استعمال بر وقت اور برمحل کرتے ہیں جس سے قاری کے لبوں پہ مسکراہٹ نمودار ہوجاتی ہے۔ وہ کبھی بے ساختہ اور کبھی لفظوں کے الٹ پھیر سے مزاح پیدا کرتے ہیں۔ آغا اشرف کے خاکے میں آغا محمد باقر سے ملاقات کی تفصیل میں بیان کرتے ہیں؛

> ''یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ اندر سے چائے اور قلاقند آ گئی۔ بھائی ولّی (اشرف صبوحی دہلوی) قلاقند کا ایک ٹکڑا منھ میں رکھتے ہوئے بولے، ''آغا صاحب اب سے کوئی پینتیس برس پہلے میں منشی فاضل کا امتحان دینے لاہور آیا تھا۔ آپ کے یہاں بھی حاضری دی تھی۔ اس وقت بھی اسی قلاقند سے تواضع ہوئی تھی۔'' میں نے آہستہ سے کہا، ''بھائی ولّی! آغا صاحب نے وہ قلاقند آپ کے لیے کتنی احتیاط اور حفاظت سے رکھ چھوڑا ہے۔'' آغا صاحب مسکرائے۔ بھائی ولّی سے کہنے لگے، ''دیکھا بھائی ولّی، فرخی صاحب نے ہم دونوں کو ایک ہی فقرے میں کیسا چت کیا ہے۔''(۲۲)

اسی طرح واصل عثمانی کے خاکے میں عام شاعروں کی ایک کمزوری کا ذکر کس قدر ظریفانہ انداز سے کیا ہے:

> ''عام شاعروں کی ایک بڑی کمزوری اپنا کلام سنانے کا ہوکا ہے۔ بالمشافہ تو کلام عطا ہی کرتے رہتے ہیں مگر بعض ایسے ظالم ہوتے ہیں کہ فون پر بھی غزلیں سنائے جاتے ہیں۔ ایک بزرگوار بالعموم فون پر اپنے کلام سے شاد کام کرتے رہتے ہیں اور اکثر رات کے گیارہ بجے محظوظ فرماتے ہیں۔ کبھی کبھی یہ بھی ہوا ہے کہ میں گھر پر موجود

نہیں ہوں تو جس نے بھی فون اٹھایا انھوں نے میرے موجود نہ ہونے کی اطلاع پر اسی کو غزل پلا دی۔''(۲۳)

ڈاکٹر اسلم فرخی صاحب کے بیشتر خاکے قریبی عزیز، رفقاء اور قریبی دوستوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ جن کے ساتھ عمر کا طویل دور گزرا۔ اس میں ان کے بچپن کے ساتھی بھی شامل ہیں اور ان کی پیشہ ورانہ زندگی میں اہم کردار ادا کرنے والے احباب اور رفقاء بھی۔ ان ساتھیوں، عزیزوں یا احباب میں سے جب کوئی راہِ عدم پر روانہ ہوتا ہے تو ڈاکٹر اسلم فرخی جس دکھ اور رنج والم کی کیفیت سے دوچار ہوتے ہیں اس کا عکس ان کے خاکوں میں نمایاں ہوجاتا ہے۔ یہی نہیں بعض اوقات کسی ساتھی یا عزیز کی زندگی میں شامل کرب اور پریشانی کو بھی جب وہ بیان کرتے ہیں تو یوں لگتا ہے جیسے ان کا نہیں بلکہ خاکہ نگار کا دکھ ہے۔ ان کے خاکوں میں موضوعِ خاکہ کے درد کی حقیقی تصویر نظر آتی ہے۔ مرزا نعیم اللہ رسوؔا کے خاکے میں ان کی وفات کی اطلاع پر جو دکھ کی کیفیت ہے اسے کس طرح بیان کیا ہے:

''واہ مرزا واہ، کیسے بے مروت نکلے۔ چپ چاپ چلے گئے۔ یادوں کے خزانے چھوڑ گئے۔ خوابوں کے جزیرے چھوڑ گئے۔ خیال کے اڑتے پرندے چھوڑ گئے۔ واہ مرزا واہ۔''(۲۴)

اسی طرح مشفق خواجہ کی وفات پر اپنے جذبات کا اظہار یوں کیا ہے:

''واہ خواجہ صاحب واہ۔۔۔۔ مانا کہ آپ داد وستد کے بڑے کھرے تھے مگر اس قدر عجلت بھی کس کام کی۔ کاش آپ آمنہ بھابھی کی بے قراری دیکھ لیتے۔ اپنے محبّانِ باوفا، یوسفی صاحب کا اضمحلال، سعید محمود کے چہرے کی پژمردگی، نسیم کی آنسوؤں سے ڈبڈباتی ہوئی آنکھیں، صوفی کی گریہ وزاری اور ہم سب کے ذہنی اور روحانی کرب کا احساس کر لیتے اور پھر جانے کا فیصلہ کرتے۔ نجانے کاہے کی جلدی تھی۔ مگر فیصلہ آپ کا نہیں تھا۔ خواجہ صاحب! کتابیں شکوہ سنج ہیں کہ اب ایسا قدردان کتاب شناس کہاں سے آئے گا۔ دوستوں کے دل اور محفلیں ویران ہوگئی ہیں۔ انھیں کون سجائے گا۔ حسرت کے شعر کی معنویت اب سمجھ آرہی ہے۔

تم تھے تو مری شام میں تھا صبح کا عالم
تم جب سے گئے شام جھلکتی ہے سحر میں''(۲۵)

اسی طرح ڈاکٹر محمد احسن فاروقی کے خاکے میں اپنوں کی سازش کی وجہ سے یونیورسٹی سے علیحدگی، اور اس کے بعد معاشی پریشانیوں کے سبب سائیکل پر کتاب بیچنے کا ذکر المیہ کی کیفیت پیدا کر دیتا ہے۔ اور قاری بھی اس دکھ میں برابر کا

شریک ہوجاتا ہے۔ کچھ اقتباس دیکھیے:

''ڈاکٹر صاحب بے حد پریشان اور مغموم۔ معقول ملازمت سے علاحدگی، مالی پریشانی، بدنامی، آمدنی کا سوتا خشک۔ وہ کبھی کبھی میرے یہاں آکر بڑی افسردگی سے کہتے، ''اگر میں لکھنؤ میں بھیک مانگنے لگوں تو میرے لیے بہتر ہوگا۔'' کبھی کہتے، ''میں لکھنؤ جا کر کوئی چھوٹی موٹی ملازمت کرلوں گا۔'' ان کی یہ بات سن کر میرا کلیجہ کٹ جاتا۔۔۔ایک دن ڈاکٹر صاحب کچھ خوش ملے۔ کہنے لگے،''آج ہم نے اتنے روپے کمائے ہیں۔ اسکول میں سائیکل پر کتابیں پہنچادیں۔ اتنے روپے مل گئے۔'' وہ خوشی کا اظہار کر رہے تھے اور میں اپنے آپ سے، اپنے معاشرے اور ماحول سے شرمندگی محسوس کر رہا تھا۔ ادبیات کا فاضل، معلّمِ عالی وقار اور قلم کا دھنی سائیکل پر کتابیں لادے یوں آشفتہ حال پھرے! ایک دن انھوں نے بڑی حسرت سے مجھ سے کہا، ''لکھنؤ میں اس ہندو جج نے میرا آدھا مکان چھین لیا تھا۔ وہ غیر تھا۔ یہاں اپنوں نے مجھے بے گھر کر دیا۔'' ڈاکٹر صاحب نے یہ فقرہ جس اندوہناک کرب کے ساتھ کہا تھا اس کی اذیت میں آج بھی محسوس کرسکتا ہوں۔ بے بسی اور مجبوری تھی۔ ایک فقرے میں غم کی ساری کائنات سموئی ہوئی تھی۔''(۲۶)

اسلم فرخی صاحب کو عورتوں کی گھریلو اور بامحاورہ زبان لکھنے میں بھی ملکہ حاصل ہے۔ ان کے خاکوں میں عورتوں کی زبان، محاورے، تشبیہات اور زبان کا چٹخارہ سب موجود ہے۔ ان کے تحریر کردہ خواتین کے مکالمے پڑھ کر محسوس ہوتا ہے جیسے سارا منظر ہماری نگاہوں کے سامنے آ گیا ہے اور ہم مکالمے پڑھ نہیں رہے بلکہ سن رہے ہیں۔ لذّتِ تلخیِ دوراں میں شوکت کی بھابھی کی زبانی جو مکالمہ پیش کیا گیا ہے وہ اس دور کی ایک عام خاتون کی زبان و بیان اور لب و لہجے کا بہترین اظہار ہے:

''بھاوج نے شوکت کو دیکھتے ہی سینے پر دوہتّر، مارنا اور بین کرنا شروع کر دیا۔'' آ گیا جوتیوں سمیت آنکھوں میں گھسنے۔ مونڈی کاٹے۔ باوا کے بدلے تجھے موت نہ آئی۔ ارے تجھے ڈھائی گھڑی کی موت آئے۔ مچ مچاتی کھٹیا نکلے۔ ارے لوگو۔ یہ کیسا اندھیر ہے۔ موا باپ کے کفن کے روپوں سے چنڈو پی گیا۔ ارے بے شرم تجھے ہیضہ ہو۔ کمینے۔ خدائی خوار ہمارے منھ میں کالک لگا دی۔ باپ کا مردہ گھر میں پڑا ہے اور سپوت چنڈو خانے میں چھینٹے اڑا رہے ہیں۔ تیرا ستیاناس ہو۔''ملاعون'' چنڈو باز۔ بے غیرت۔ کیا منھ لے کر آیا ہے۔ ارے کہاں ہو۔ اس کمینے کا ہاتھ پکڑ کر باہر کیوں

نہیں نکال دیتے۔''(۲۷)

اسی طرح جمیلہ آپا (باجی آپا) کے خاکے میں ان سے ہونے والے مکالمے کو کتنے دلچسپ انداز میں تحریر کیا ہے:

''انھیں کبھی کبھی نجانے کیوں ہڑک اٹھتی۔ مرزا جی کو خط لکھواتیں، ''اے اسلم، ذرا ہمارا خط تو لکھ دو''، ''لکھواؤ! ہاں تو کیا لکھیں''، ''ارے وہی لکھو جو لکھا جاتا ہے؟''، ''کیا لکھا جاتا ہے''، ''ہندی کی چندی نہ کرو''، ''اچھا تو وہ لکھوں جو ہمارے نانا آپا کو لکھتے ہیں، نورِ چشم، راحتِ جان''، ''کچھ پاگل تو نہیں ہوگئے ہو؟''، ''ہم کیوں ہونے لگے پاگل''، ''اے دلہن ممانی! یہ اسلم خط نہیں لکھتے۔ عیب داری کر رہے ہیں''، ''لکھ کیوں نہیں دیتے۔ کیوں ہڑا رہے ہو؟'' خط شروع ہوا۔ ''جنابِ من، تسلیم... نجانے کیا راگ مالا بیان ہو رہی ہے۔ ہم وہ لکھ رہے ہیں جو ہمارا جی چاہ رہا ہے۔ ''اچھا تو صبح یہ خط اپنے دولہا بھائی کو دے بھی آنا''، ''ہم تو نہیں جا سکتے۔ اسکول کو دیر ہو جائے گی۔ سزا ملے گی''، ''اے صبح صبح چلے جاؤ۔ اسکول کے وقت تک آرام سے آجاؤ گے۔''(۲۸)

ڈاکٹر اسلم فرخی صاحب کے خاکوں میں متعدد شخصیات کے حوالے سے نئی معلومات بھی ملتی ہیں۔ اور ایسے گمنام ادیبوں، شاعروں کا تذکرہ بھی ملتا ہے جن کے بارے میں معلومات بہت کم یا نہ ہونے کے برابر ہے۔ اسلم فرخی نے اپنے خاکوں کے ذریعے ہمیں ان کے نام اور کام سے واقف کرا دیا ہے۔ اگر کوشش کی جائے تو ان ادیبوں اور شاعروں پر تحقیقی کام بھی کیا جا سکتا ہے۔ جیسے الیاس مجیبی کا نام ادب میں معروف نہیں ہے لیکن اسلم فرخی نے انھیں نہ صرف بچّوں کا بہترین ادیب قرار دیا ہے بلکہ ان کی متعدد کتابوں کی مختصر تفصیل بھی بیان کر دی ہے۔ خاص طور پر الیاس مجیبی کی بچوں کے لیے سیرتِ رسول ﷺ پر کتاب ''سرکار کا دربار'' کا تذکرہ کیا ہے جس کا ۱۹۴۱ء میں دسواں ایڈیشن شائع ہوا اور اس کتاب کی ایک لاکھ سے زائد کاپیاں فروخت ہوئیں۔ اسلم فرخی صاحب کے بقول بچّوں کی کتاب کی ایسی پزیرائی نہیں دیکھی۔ اسلم فرخی کے مطابق مجیبی صاحب نے بچّوں کے لیے سو (۱۰۰) سے زائد کتابیں لکھیں۔ مزید لکھتے ہیں کہ:

''یہی حال اشرف صبوحی کا بھی ہے۔ ان کی کہانیوں کی کتابیں بھی سو سے کیا کم ہوں گی۔ صبوحی صاحب زبان کے بادشاہ تھے۔ ان کی کہانیوں میں اردوئے معلّیٰ محفوظ ہوگئی ہے۔ ان دونوں مصنّفوں کی کاوش کو دیکھتے ہوئے یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ اردو میں بچّوں کا ادب نہیں ہے۔ ایسا کہنا محض ہٹ دھرمی اور جہالت ہے۔''(۲۹)

اسی طرح خاکے ''تلاش وفا (وفا بھائی)'' میں ابوالقاسم وفاؔ بھائی کی شاعری اور ان کی بچّوں کے لیے لکھی گئی نظموں کا ذکر کیا گیا ہے۔ وفا بھائی جگرؔ مرادآبادی کے خاص تلامذہ میں شامل تھے اور نوجوانی میں ہی وفات پا گئے تھے۔ لیکن ان کا

ذکر تذکروں میں یا تحقیقی کتابوں میں نہیں ملتا۔ جب کہ ان کی چند کتابیں انجمن ترقی اردو کے تہہ خانوں میں موجود ہیں۔ اگر صرف ان ادیبوں میں الیاس مجیبی اور اشرف صبوحی دہلوی کی بچوں کی کہانیوں اور وفا بھائی کی شاعری کو تلاش کر کے نئے سرے سے شائع کر دیا جائے تو نہ صرف ادب کی خدمت ہوگی بلکہ یہ تحریریں بچوں کے ادب میں بھی گراں قدر اضافہ قرار پائیں گی۔ اوران ادیبوں کو ان کا جائز مقام بھی مل جائے گا۔

ڈاکٹر اسلم فرخی صاحب کی خاکہ نگاری کا ایک مثبت پہلو یہ بھی ہے کہ وہ خاکوں میں قاری کی روحانی، اخلاقی اور اصلاحی تربیت کے لیے موضوع کے اعتبار سے کوئی آیت، حدیث، نصیحت آموز واقعہ یا کسی بزرگ کے اقوال پیش کر دیتے ہیں۔ خاص طور پر سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء محبوبِ الٰہی کے ملفوظات نمایاں ہیں۔ جیسے ثناالحق صدیقی کے خاکے ''ثنا خوانِ حق'' میں ان کے جنازے کے تذکرے کے بعد یہ آیت درج کی ہے:

> ''اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِی جَنّٰتٍ وَّعُیُوْن'' پرہیز گار اس دن، بہشت کے باغوں میں اور جنت میں ہوں گے (اور باغوں میں آتے وقت ہمارے فرشتے ان سے کہیں گے کہ) سلامتی کے ساتھ باطمینان (تمام) ان (باغوں) میں تشریف لاؤ۔''(۳۰)

اسی طرح عبدالعلیم نامیؔ کے خاکے میں لکھتے ہیں:

> ''حضرت سلطان جیؒ نے خلق کی چار قسمیں بیان کی ہیں: ایک وہ جن کا ظاہر آراستہ اور باطن خراب ہوتا ہے۔ دوسرے وہ جن کا باطن آراستہ اور ظاہر خراب ہوتا ہے۔ تیسری نوع کا ظاہر و باطن دونوں خراب ہوتے ہیں اور چوتھی نوع کے ظاہر و باطن دونوں آراستہ ہوتے ہیں۔''(۳۱)

اسی طرح شیخ ہاشم رضا کے خاکے میں خواجہ غریب نوازؒ اور حضرت سلطان جیؒ کے واقعات(۳۲) کے علاوہ بھی متعدد خاکوں میں اصلاحی، تعریفی اور اخلاقی نوعیت کے اقوال اور اشعار بھی شامل کیے گئے ہیں جس سے نہ صرف موضوعِ خاکہ کی خوبیوں کا اندازہ ہوجاتا ہے بلکہ ان فرمودات، حکایات اور قرآنی تعلیمات کی روشنی میں قاری کی اخلاقی و اصلاحی تربیت بھی ہوجاتی ہے۔

اسلم فرخی صاحب کے خاکوں سے ان کے دور کے سیاسی اور تاریخی واقعات کا ذکر بھی شامل ہے۔ ان کے خاکوں میں تحریکِ پاکستان کے حوالے سے مسلم لیگ کا کردار، پاکستان کا پیغام پہنچانے کے لیے نوجوانوں کے جوش وخروش اور ہجرت کے دوران پیش آنے والے سانحات کے تذکرے کے ساتھ مشرقی پاکستان کی ابتر صورتحال اور بھر علیحدگی جیسے واقعات سے رونما ہونے والے انسانی المیے کی جھلکیاں بھی مل جاتی ہیں جیسے شمس زبیری کے خاکے میں تقسیمِ ہند کے بعد کے فسادات کا یہ ذکر دیکھیے:

''ستمبر کے دوسرے ہفتے میں ایک دن ہندو اور سکھ فسادیوں نے قرول باغ میں مسلمانوں کے تمام گھر لوٹ لیے۔ عورتیں اور بچّے اغوا کر لیے گئے۔ مرد مار ڈالے گئے۔ شمس اور ان کے گھر والوں نے گھر میں آگ لگتے دیکھی۔''(۳۳)

اسی طرح نوجوانوں میں تحریکِ پاکستان کے لیے جوش وخروش کی مثال دیکھیے:

''یہ ہماری نوجوانی اور تحریکِ پاکستان کا دورِ عروج تھا۔ ہم سب اس تحریک کو پروان چڑھانے میں سرگرمِ عمل تھے۔ ربّانی صاحب، مسعود، ضمیر، میں۔ فتح گڑھ مسلم لیگ کے سیکریٹری ہونے کی وجہ سے میری ذمہ داریاں اور دائرۂ عمل وسیع تھا۔ دیہات دیہات مارے مارے پھرنا پڑتا تھا۔ آج یہاں جلسہ ہے۔ آج وہاں جلسہ ہے۔ ہر طرف دوڑ رہے ہیں۔۔۔ کیا جوش اور جذبہ تھا۔ جب ہم جھنڈا اٹھائے، کسی گاؤں میں پہنچتے تو گاؤں کے مسلمان ہمارا والہانہ استقبال کرتے۔ ہم لوگ کسی مسلمان زمیندار کے یہاں ٹھہرائے جاتے۔ مسجد میں جلسہ ہوتا۔ نعرۂ تکبیر بلند ہوتا۔ ''لے کے رہیں گے۔ بٹ کے رہے گا'' کے پر جوش نعروں سے فضا گونجتی رہتی۔ سیدھے سادے دیہاتی بھی قائدِاعظمؒ کی عظمت اور پاکستان کی معنویت کو بخوبی سمجھنے لگے تھے۔''(۳۴)

ڈاکٹر اسلم فرخی صاحب علمی خانوادے سے تعلق رکھتے ہیں اور تہذیبی آدمی ہیں۔ ان کی طبیعت میں محبت، خلوص، نیکی، شرافت اور اقدار کی پابندی نمایاں ہے۔ ہمیشہ مثبت سوچ کے حامل رہے۔ یہی مثبت پہلو اور تہذیبی شعور ان کے خاکوں میں بھی نظر آتا ہے۔ ان کے خاکوں میں ایک روانی اور اعتدال کی کیفیت نمایاں ہے۔ انھوں نے تمام خاکوں میں شخصیات کو ان کی خوبیوں اور مثبت پہلوؤں کو بڑی فراخ دلی سے بیان کیا ہے جب کہ ان شخصیات کی خامیوں اور بشری کمزوریوں کو ٹٹولنے اور ان کا ڈھنڈورا پیٹنے کی بجائے بھی ہمدردانہ انداز میں بیان کیا ہے۔ جس کی وجہ سے ان کے خاکوں کی شخصیات کا منفی تاثر قائم نہیں ہوتا۔

اسلم فرخی کے خاکوں کی ایک اہم خوبی یہ بھی ہے کہ ان سے مختلف قسم کی ادبی تقریبوں، مشاعروں اور ادیبوں کی نجی محفلوں کا تذکرہ بھی مل جاتا ہے۔ جیسے مرزا نعیم اللہ رسوؔا کے خاکے میں فرخ آباد، فتح گڑھ اور گرد ونواح میں ہونے والے مشاعروں کا ذکر ہے۔(۳۵) اس کے علاوہ حلیم چشتی کے خاکے میں حضرت نظام الدین اولیاؒ اور خصوصاً خواجہ غریب نوازؒ کے عرس اور کانفرنسوں کا احوال ہے۔(۳۶) اس کے علاوہ قیامِ پاکستان کے بعد کراچی میں ہونے والے مشاعروں، ادبی محفلوں اور موسیقی کی متعدد تقاریب کا احوال مل جاتا ہے۔(۳۷)

خاکوں میں شخصیات کا تذکرہ مختصر لیکن جامع انداز میں کرایا جاتا ہے اور عموماً کوشش کی جاتی ہے کہ کم سے کم الفاظ میں شخصیات کے خدوخال واضح ہوجائیں۔ لیکن اسلم فرخی صاحب کے ہاں ایسا نہیں ہے ان کے اکثر خاکے مائل بہ طوالت ہیں اور چند خاکے ہی مختصر ہیں۔ پروفیسر حبیب اللہ غضنفر، نورالحسن جعفری، حکیم چٹکلے باز، پتلے اکرام، ادا جعفری، ضمیر نیازی، شوکت بھائی، مرزا نعیم اللہ رسوا، جانِ بیتاب (باجی آپا)، شمس زبیری، حلیم چشتی، ہاشم رضا، شاہد احمد دہلوی، ڈاکٹر محمد احسن فاروقی، مشفق خواجہ، شیخ لطیف اللہ، مشتاق احمد یوسفی اور انور احسن صدیقی کے خاکوں سمیت اسلم فرخی صاحب کے تمام اہم خاکے طویل ہیں جن سے شخصیات کے تمام اہم پہلوؤں کا احاطہ ہوجاتا ہے اور موضوعِ خاکہ کے متعلق کسی طرح کی تشنگی کا احساس نہیں رہتا۔ جب کہ ان کے اکثر مختصر خاکے طویل خاکوں کی طرح زیادہ متاثر کن نہیں ہیں۔ لیکن اسلم فرخی صاحب کے دلچسپ اور رواں اسلوب کی وجہ سے ان کے طویل خاکے بھی قاری کو بور نہیں کرتے اور نہ خاکوں میں پیش کیے گئے واقعات اضافی معلوم ہوتے ہیں۔ بلکہ یہ خاکے ایک ہی نشست میں پڑھنے کے قابل ہیں۔ ان کے خاکوں کی انفرادیت ان کا رواں دواں اور سلیس اسلوب ہے۔ اس میں مشکل پسندی نہیں ہے بلکہ سہل پسندی نمایاں ہے۔ جس کی وجہ سے ان کے خاکوں میں ایک خاص قسم کی دلکشی پیدا ہوگئی ہے۔

اسلم فرخی صاحب کے خاکوں کی سب سے نمایاں خوبی جو اردو ادب میں انھیں ہمیشہ نمایاں رکھے گی وہ ان کی زبان و بیان پر غیر معمولی قدرت ہے۔ وہ آسان اور سادہ نثر لکھتے ہیں اور روزمرّہ کی زبان بڑی خوب صورتی سے استعمال کرتے ہیں۔ ان کی زبان و بیان میں لطافت بھی ہے اور محاوروں اور ضرب المثل کی چاشنی بھی۔ ان کی نثر میں دلّی کی ٹکسالی زبان کا لطف محسوس ہوتا ہے۔ ان کے خوب صورت اسلوب نے ان کے خاکوں میں ایک خاص قسم کی انفرادیت پیدا کردی ہے جو انھیں دیگر خاکہ نگاروں سے ممتاز کرتی ہے۔ ان کے اسلوب کے بارے میں شمیم حنفی لکھتے ہیں:

> ''(اسلم فرخی نے) آپ اپنی پہچان بھی بنیادی طور پر اپنی انشا پردازی اور نثر کے ایک بے حد متین، مہذّب اور خوش خرام اسلوب کے واسطے سے قائم کی۔ یہ اسلوب ایک ایسی تہذیب کا ہے جس کی جڑیں بہت گہری ہوں اور جس کی ترکیب میں عجلت پسندی، بے احتیاطی، مبالغے، جذباتیت اور تصنّع کا ذرا بھی گزر نہ ہو۔ ۔۔ یہ ایک ''پر فریب'' خوبی ہے اور ''پرکار'' سادگی ہے جس سے اردو نثر و نظم کے ہر دور میں بہت کم لکھنے والے بہرہ ور ہوئے ہیں۔ اسلم بھائی پر اردو انشا پردازی کی روایت کا ایک دور ختم ہوا۔''(۳۸)

مسعود اشعر نے اسلم فرخی کو ''بے مثل انشا پرداز'' قرار دیا ہے اور لکھا ہے کہ ''ان کے خاکوں میں زبان کی وہ چاشنی ہے کہ خاکے پڑھنے کے بعد بھی آپ ہونٹ چاٹتے رہ جاتے ہیں۔''(۳۹)

ڈاکٹر اسلم فرخی صاحب کی نثر کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے شاہد حنائی لکھتے ہیں:

''جب میں خاکہ نگاری میں لکھی گئی نثر کے نمونوں کی طرف دھیان کرتا ہوں تو ڈاکٹر اسلم فرخی کی نثر کو سب سے منفرد پاتا ہوں۔ مجھے گمان گزرتا ہے کہ الفاظ لکھنے کے بجائے موتی پروئے گئے ہیں۔ موتیوں کی مالا سے جملے مکمل ہوتے ہیں۔ یہ مالائیں یک جا ہوکر فقروں کی صورت قوس قزح بناتی ہیں۔ خاکہ نگار اسلم فرخی کو قرأت کرنے کے لیے قاری کا محض خواندہ یا تعلیم یافتہ ہونا ہی نہیں جوہر شناس ہونا بھی ضروری ہے۔۔۔وہ الفاظ سے ایسی شاہ کار تصویریں بناتے ہیں کہ موضوع یعنی شخصیت ہی نہیں مصوّر بھی نظر آنے لگتا ہے۔''(۴۰)

اسلم فرخی صاحب نے اپنے خاکوں میں جو ضرب المثل اور محاورات کا استعمال کیے ہیں وہ خود ایک مقالے کے متقاضی ہیں۔ انھوں نے نہ صرف جدید محاورات اور ضرب المثل کا استعمال کیا ہے سیکڑوں قدیم محاورات اور ضرب المثل بھی اپنے خاکوں میں تحریر کی ہیں جو آج کی نثری تصانیف میں ملنا مشکل ہے۔ اس کے علاوہ انھوں نے سیکڑوں نادر و نایاب الفاظ بھی استعمال کیے ہیں جو آزادی سے قبل اور بعد میں عام طور پر عوام میں بولے جاتے تھے لیکن ان الفاظ کو ادب میں بہت کم استعمال کیا گیا جب کہ اسلم فرخی صاحب نے ایسے الفاظ بڑی تعداد میں استعمال کیے ہیں۔ ان نادر و نایاب الفاظ میں وہ لفظیات بھی شامل ہیں جن میں سے بعض کے معنی شاید لغات میں بھی نہ ملیں۔

اسلم فرخی صاحب کے خاکوں سے خود ان کی اپنی سوانح کے نقوش بھی نمایاں ہوجاتے ہیں انھوں نے طویل عمر پائی اور ہندوستان اور پاکستان میں بڑی سرگرم اور عملی زندگی گزاری۔ ان کے بچپن، لڑکپن، جوانی کے واقعات وفا بھائی، شوکت، مزرا نعیم اللہ رسوا، جمیلہ آپا، مولوی شفیع اور احسن انور صدیقی وغیرہ کے خاکوں میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ ان کی کراچی آمد اور ریڈیو کی مصروفیات اور کالج کی تدریس کی تفصیلات یاور عباس، حمید نسیم، پتلے اکرام، احمد فراز، شاہد احمد دہلوی، اور شمس زبیری کے خاکوں میں دکھائی دیتی ہے۔ یونیورسٹی کی تدریس اور دیگر ذمے داریوں کی تفصیلات واصل عثمانی، مشفق خواجہ، ڈاکٹر احسن فاروقی اور اختر صاحب، وغیرہ کے خاکوں میں دیکھا جا سکتا ہے جب کہ انجمن ترقی اردو میں خدمات کی تفصیلات نور الحسن جعفری، ادا جعفری، مشفق خواجہ کے خاکوں میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔ ان کے علاوہ ان کی ادبی و سماجی سرگرمیوں کی تفصیلات دیگر خاکوں میں تفصیل کے ساتھ مل جاتی ہے۔ ڈاکٹر اسلم فرخی صاحب نے اپنی خودنوشت تحریر نہیں کی لیکن اگر کوشش کی جائے تو ان کے خاکوں سے ان کی سوانح عمری اخذ کی جاسکتی ہے اور یقیناً وہ بھی ان کے خاکوں کی طرح دلچسپ اور منفرد ہوگی۔

بالا صفحات میں اسلم فرخی صاحب کی خاکہ نگاری کی خوبیوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ ذیل میں ان کی خاکہ نگاری کی کچھ خامیوں کا ذکر کیا جائے گا۔

اسلم فرخی صاحب کی خاکہ نگاری کی ایک خامی ان کے خاکوں کا طویل ہونا ہے۔ عام طور پر مختصر خاکوں کو پسند کیا جاتا ہے جب کہ ان کے اکثر خاکے مائل بہ طوالت ہیں۔ اس خامی کو انھوں نے دلچسپ اسلوب سے کسی قدر کم کیا ہے لیکن ایک عام قاری کے لیے طویل خاکوں کا مطالعہ کسی قدر مشکل ہوجاتا ہے۔ اسلم فرخی صاحب نے اردو کے ساتھ فارسی ادب کا بھی گہرائی سے مطالعہ کیا ہے جس کی وجہ سے وہ اپنے خاکوں میں فارسی تراکیب، مصرعوں اور اشعار کا استعمال بھی بہت کرتے ہیں جن کے معنی سمجھنا آج کے قاری کے لیے دشوار ہوتا ہے۔ جیسے ''مارا ازیں گیاہ ضعیف ایں گماں نبود''، ''من تو شدم تو من شدی''، زین جہاں بیروں شدن''، ''طرز روشِ راسخہ حکیماں''، ''عالم ہمہ افسانہ مادارد و ماہیچ''، ''زہے روانیِ عمرے کہ درسفر گزرد''، ''گندم اگر بہم نہ رسد''، ''ہمائے اوج سعادت بدامِ ما افتد''، ''باہمہ مرد ماں بباید ساخت''، ''ہر کہ آرد با تو جنگ۔ تن درکشتی سر در گنگ'' اور ''شعر خود خواہش آں کرد کہ گردد فنِ ما'' وغیرہ۔(۴۱) اسلم فرخی نے جو فارسی اشعار ان خاکوں میں استعمال کیے ہیں ان میں سے اکثر کے شاعر کا نام بھی بتایا ہے جب کہ کئی اشعار ایسے بھی ہیں جن کے شعرا کا ذکر نہیں کیا گیا۔ ان شعرا کے نام اور ان اشعار کا ترجمہ بھی اگر خاکوں میں شامل کیا جائے تو یہ خامی کی بجائے خوبی بن جائے گی اور ایک عام قاری بھی ان خاکوں سے پوری طرح لطف اندوز ہو سکے گا۔

ڈاکٹر اسلم فرخی صاحب کبھی کبھی خاکوں میں موضوعِ خاکہ سے ہٹ جاتے ہیں اور دیگر شخصیات یا تفصیلات کو بیان کرنا شروع کر دیتے ہیں جیسے مرزا نعیم اللہ رسوؔا کے خاکے میں ان کے استاد حفیظ مجیبی اور کچھ شاعروں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔(۴۲) یا آغا اشرف کے خاکے میں خانوادۂ آزاؔد کی تفصیلات ہیں(۴۳) اور محب عارفی کے خاکے میں ان کے ہاں آنے والے شاعروں ادیبوں کا ذکر ہے(۴۴) جب کہ عبدالعلیم نامی کے خاکے میں موسیقار نوشاد کی خودنوشت کے طویل حصے کی تلخیص شامل کی گئی ہے۔(۴۵) لیکن ایسا کم ہی ہوتا ہے۔

خاکہ نگار کا خاکوں میں ہونا عیب تصور کیا جاتا ہے کیوں کہ خاکہ نگار خاکوں میں موضوع شخصیت کا بیان کر رہا ہوتا ہے، اپنا نہیں۔ اس لیے وہ اپنا ذکر محض زیبِ داستان کے لیے رکھتا ہے اور ساری توجہ موضوعِ خاکہ کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں کو نمایاں کرنے میں صرف کرتا ہے۔ لیکن اسلم فرخی صاحب کے خاکوں میں وہ خود بھی نمایاں ہوتے ہیں اور متعدد خاکوں میں موضوعِ خاکہ کی زبانی اپنے لیے تعریفی کلمات بھی کہلواتے ہیں جو بعض اوقات گراں گزرتے ہیں۔ یہ خامی قدیم خاکوں میں کم اور نئے خاکوں میں خاص طور پر نمایاں ہے۔ اگر دیکھا جائے تو جس شخص نے بھرپور زندگی گزاری ہو اور جس نے محض اپنی قابلیت اور ذہانت سے بڑا مقام حاصل کیا ہو تو کبھی کبھی یہ خامی نظر آ ہی جاتی ہے۔ جیسے آخری عمر میں منٹو خود پسندی اور اپنی تعریفیں کرنے جیسی کمزوری میں مبتلا ہو گئے تھے جن کا ذکر محمد طفیل نے اپنے خاکے میں بھی کیا ہے لیکن اسلم فرخی کے ہاں ایسی کیفیت نہیں ہے اور نہ ان کے لیے تعریفی کلمات میں کہیں مبالغے کا احساس ہوتا ہے۔ جیسے نورالحسن جعفری کے خاکے میں لکھتے ہیں:

''ایک دفعہ برما شیل کے مشاعرے میں میرا مضمون اور غزل سن کر کہنے لگے، آپ
نے مشاعرہ بھی لوٹ لیا اور مضمون بھی ایسا پڑھا کہ لطف آ گیا۔''(۴۶)

اسی طرح مرزا نعیم اللہ رسواؔ کے خاکے میں ایک مشاعرے میں اپنی شاعری کی پزیرائی کا قصہ بھی تفصیل سے بیان کیا ہے۔(۴۷) ان کے علاوہ مشتاق احمد یوسفی، ڈاکٹر عبد السلام، مشفق خواجہ، اختر صاحب، لطیف الزماں، اور حزیں کاشمیری وغیرہ کے خاکوں میں ان کی زبانی خاکہ نگار کے لیے تعریفی کلمات ادا کیے گئے ہیں۔

ڈاکٹر اسلم فرخی صاحب کا مطالعہ بہت وسیع اور یادداشت کمال کی تھی لیکن بعض اوقات وہ واقعات بیان کرنے میں حوالوں کی بجائے صرف یادداشت پر بھروسہ کرتے ہیں جس کی وجہ سے بعض اوقات واقعات گڈمڈ ہوجاتے ہیں اور تصدیق نہیں ہو پاتی کہ اصل واقعے کا تعلق کس شخصیت سے تھا۔ جیسے اپنے مجموعے ''سات آسمان'' میں شیخ امام بخش ناسخؔ کے خاکے میں انھوں نے ان کے شاگرد ''میر سعادت علی تسکین'' کی اصلاح کا واقعہ لکھا ہے کہ انھوں نے ایک شعر پڑھا:

جس کم سخن سے میں کروں تقریر بول اٹھے
ہے مجھ میں وہ کمال کہ تصویر بول اٹھے

ناسخؔ نے اس شعر کی اصلاح یوں کی کہ مصرع اولیٰ میں ''کم سخن'' کی جگہ ''بے زباں'' کر دو تو شعر اور عمدہ ہوجائے گا۔(۴۸) مذکورہ شعر کے حوالے سے ایک واقعے کا ذکر اسلم فرخی صاحب نے اپنے ایک مضمون ''مشاعرے کی روایت: ایک جائزہ'' میں کیا تھا جو قومی زبان کے اسلم فرخی نمبر میں شائع ہوا۔ یہاں انھوں نے واقعہ اس طرح لکھا ہے کہ ایک مرتبہ خواجہ حیدر علی آتشؔ مشاعرے میں ذرا دیر سے پہنچے اس وقت شمعِ محفل ان کے استاد مصحفیؔ کے سامنے تھی ایسے میں ناسخؔ نے کہا دیکھو لڑکے نے کیا خوب شعر کہا ہے اور شمعِ محفل مصحفی کے سامنے سے اٹھا کر اپنے شاگرد کے سامنے رکھ دی۔ اور ان سے شعر پڑھوایا:

جس کم سخن سے میں کروں تقریر بول اٹھے
مجھ میں کمال یہ ہے کہ تصویر بول اٹھے

اس شعر کو سن کر آتشؔ جو مصحفیؔ کے سامنے سے شمعِ محفل اٹھانے سے آگ بگولہ ہو گئے تھے کہا کہ ''واہ شیخ صاحب! ایسے مطلع پر داد و تحسین جس میں نقص اتنا واضح ہے۔ پھر کہا کہ یہاں تصویر کم سخن نہیں ہوتی۔ اس طرح پڑھو:

جس بے زباں سے میں کروں تقریر بول اٹھے
مجھ میں کمال یہ ہے کہ تصویر بول اٹھے(۴۹)

مذکورہ واقعات کی حقیقیت سے صرفِ نظر کر کے اگر خامی دیکھی جائے تو محسوس ہوتا ہے کہ ایک ہی شعر کے واقعے کو الگ الگ شعرا کی اصلاح کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے لکھ دیا گیا ہے۔ ساتھ ہی دوسرے واقعے میں مصرعِ ثانی میں بھی

کچھ ترمیم نظر آتی ہے۔ یہاں واضح ہوتا ہے کہ اسلم فرخی صاحب نے اس واقعے کو بیان کرتے ہوئے کسی ایک جگہ ضرور غلطی کی ہے اور اپنی شاعرانہ دسترس کا فائدہ اٹھاتے ہوئے لفظوں کے الٹ پھیر کے ساتھ شعر موزوں کر دیا ہے۔

مجموعی طور پر اگر مختصراً اسلم فرخی کی خاکہ نگاری کا جائزہ لیں تو وہ ایک منفرد اور باکمال خاکہ نگار نظر آتے ہیں۔ انھوں نے اپنے خاکوں میں موضوع شخصیات کے ہر اہم پہلو کو بیان کرنے کی کوشش کی ہے جس سے قاری ان شخصیات سے پوری طرح واقف ہوجاتا ہے۔ انھوں نے خاکوں کے بنیادی لوازمات جیسے سراپے، حلیے، گفتگو، عادات واطوار، پسند ناپسند، اور خوبیوں کے ساتھ ساتھ کسی قدر خامیوں کا ذکر بھی کیا ہے لیکن ان کے خاکوں میں شخصیات کی خامیاں محض اچھے شعر کی خامی محسوس ہوتی ہے اور موضوع شخصیت کی انفرادیت اور خوبیوں کو متاثر نہیں کرتی۔ اسلم فرخی صاحب شریف النفس انسان ہیں۔ انھوں نے اپنی ذاتی زندگی کے عین مطابق شخصیات کی خوبیوں کو بیان کرنے میں دلچسپی لی ہے اور انھیں ہی نمایاں کیا ہے۔ اور یہ ان کا کمال ہے کہ انھوں نے عام شخصیات کے بھی اس قدر بھرپور اور مکمل خاکے لکھے ہیں جو کسی طرح بھی رشید احمد صدیقی کے کندن اور مولوی عبدالحق کے نورخان سپاہی اور نام دیو مالی سے کم نہیں ہیں۔ انھوں نے جمیلہ آپا (باجی آپا)، شوکت اور مرزا رسوآ کے خاکے لکھ کر انھیں امر کر دیا ہے۔ خاص طور پر جانِ بیتاب (جمیلہ آپا) کا خاکہ تو ہر لحاظ سے بہترین قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس خاکے میں باجی آپا کی پوری زندگی کا ارتقاء اور مختلف ادوار کی تفصیلات پیش کی گئی ہیں۔

مجموعی طور پر ڈاکٹر اسلم فرخی کی خاکہ نگاری میں گزشتہ تمام اہم خاکہ نگاروں کی خوبیاں نمایاں طور پر محسوس ہوتی ہیں۔ ان کی خاکہ نگاری میں محمد حسین آزاد کی مرقع نگاری و انشا پردازی، اشرف صبوحی دہلوی اور شاہد احمد دہلوی کی سی ٹکسالی زبان، روز مرّہ محاورہ اور ضرب المثل کا خوب صورت استعمال، رشید احمد صدیقی کی سی سنجیدگی و متانت، مولوی عبدالحق کی سی سادگی و پرکاری، محمد طفیل کی سی بے ساختگی اور برجستگی، منٹو کی سی افسانویت، ممتاز مفتی کی سی انسانی نفسیات کی پرتیں کھولنے کا ہنر، شوکت تھانوی اور ضمیر جعفری کی شگفتگی اور مرزا فرحت اللہ بیگ کا سا ہمدردانہ رویہ سب موجود ہے۔

اسلم فرخی صاحب نے اپنے خاکوں میں موضوعِ خاکہ کو جس خوب صورت انداز میں بیان کیا ہے وہ بلا شبہ قابلِ تعریف ہے۔ بلکہ یوں کہا جائے اسلم فرخی صاحب گزشتہ تین چار عشروں کے بہترین خاکہ نگار ہیں جنھوں نے نہ صرف خاکہ نگاری کا وقار قائم رکھا بلکہ اسے پروان چڑھایا۔

محمد طفیل کے بعد خاکہ نگاری میں ایک بڑا وقفہ آیا۔ ان کے بعد کوئی اہم بہترین خاکہ نگار اس صنف کو نہ مل سکا گو کہ ان کے بعد ممتاز مفتی، صادق الخیری، فارغ بخاری، ضمیر جعفری، نظیر صدیقی، میرزا ادیب، ایوب قادری، عطاء الحق قاسمی، نصراللہ خاں، اے حمید، حافظ لدھیانوی، رحیم گل، ظہور احمد اعوان اور احمد بشیر سمیت متعدد خاکہ نگاروں کے مجموعے شائع ہوئے لیکن سوائے احمد بشیر کے ایک خاکے ''چھپّن چھری'' (کشور ناہید) کے کوئی خاکہ نگار یا خاکہ ایسا سامنے نہیں آیا جسے بہترین قرار دیا جا سکے۔(۵۰) احمد بشیر کا خاکہ ''چھپّن چھری'' بھی اس خاکے کی منفی پیشکش کی وجہ سے مقبول ہوا۔ اور اب کشور ناہید کے

بارے میں جو عمومی تاثر پایا جاتا ہے وہ کافی حد تک اس خاکے کا بنا ہوا ہے۔

مذکورہ بالا خاکہ نگاروں میں سے کوئی خاکہ نگار اپنی انفرادیت یا خصوصیت کے اعتبار سے خاص شہرت حاصل نہ کر سکا۔ طویل وقفے کے بعد ڈاکٹر اسلم فرخی ہی وہ واحد خاکہ نگار نظر آتے ہیں جنھوں نے نہ صرف اس صنف کی طرف خصوصی توجہ دی بلکہ اس صنف پر یکسانیت کے اثرات کو ختم کر کے اس کی ساکھ کو بہتر بنایا۔ اور آج خاکہ نگاری اور اسلم فرخی کے نام ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں۔ شاہد حنائی نے تو اسلم فرخی کے خاکوں کے بارے میں لکھا ہے کہ جس رسالے میں ڈاکٹر اسلم فرخی کا خاکہ شامل ہوتا، وہ پورا شمارہ ہی خاص ہو جاتا تھا۔(۵۱)

اگر اسلم فرخی صاحب کی اردو ادب کی خدمات کا سرسری سا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ انھوں نے اپنا تحقیقی کام مولانا محمد حسین آزاد کی شخصیت اور فن پر کیا۔ جسے بے حد پسند کیا گیا۔ اس کے علاوہ انھوں نے حضرت نظام الدین اولیاء کے سوانحی خاکے سمیت ان کی اور دیگر بزرگوں کے حوالے سے متعدد کتابیں تصنیف کیں۔ نظام الدین اولیاء سے انھیں خاص عقیدت تھی اسی لیے انھوں نے حضرت نظام الدین اولیاؒ کے حوالے سے چھ کتابیں مرتب کی ہیں اس سلسلے کی ایک کتاب ''دبستانِ نظام'' کو وہ اپنا حاصلِ زندگی قرار دیتے ہیں۔(۵۲) اس کے علاوہ وہ ایک بہترین معلم بھی تھے اور ہزاروں طلبا و طالبات ان سے مستفید ہوئے۔ ساتھ ہی وہ ایک بہترین منتظم بھی تھے اور متعدد اہم عہدوں پر اپنی ذمہ داریاں نبھائیں۔ ہر شعبے میں اسلم فرخی صاحب کی خدمات نمایاں ہیں۔ لیکن ان کی اصل پہچان خاکہ نگاری بنی۔ دراصل انھوں نے خاکوں میں روایتی ادب و احترام کی بجائے سادگی سے شخصیات کی حقیقی تصویر کشی کی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے خاکوں کو بے حد پسند کیا گیا اور ان کے چند خاکے تو بلا شبہ اردو کے بہترین خاکوں میں شمار کرنے کے قابل ہیں۔

حواشی

(۱) حافظ محمود شیرانی، تنقید آبِ حیات، اورینٹل کالج میگزین، ۱۹۴۰ء، بحوالہ: طیفِ نثر (ڈاکٹر سید عبداللہ کے لیکچروں کا مجموعہ)، مرتب: ممتاز منگلوری، (لاہور: لاہور اکیڈمی، ۱۹۶۵)، ص ۲۸۹

(۲) ڈاکٹر صابرہ سعید، اردو ادب میں خاکہ نگاری، (لاہور: زبیر بکس، ۲۰۱۷ء) ص ۱۴۰

(۳) سلیم الرحمان، منٹو کی خاکہ نگاری، مشمولہ پاکستانی ادب ۱۹۹۰ء، (مرتب: رشید امجد)، اسلام آباد: اکادمی ادبیات، پاکستان، ۱۹۹۱ء، ص ۲۲۴

(۴) سلیم الرحمان، منٹو کی خاکہ نگاری، ایضاً، ص ۲۲۴

(۵) ڈاکٹر صابرہ سعید، اردو ادب میں خاکہ نگاری، محوّلہ بالا، ص ۲۸۱

(۶) ایضاً، ص ۳۰۳

(۷) اس مجموعے میں اسلم فرخی نے اردو کے سات کلاسیکل شعراء کے خیالی خاکے تحریر کیے ہیں۔ بعض لوگ انھیں خاکے قرار نہیں دیں

گے۔ میں ان کی رائے کا احترام کرتا ہوں۔ پھر بھی راقم نے اس مجموعے کا مطالعہ بھی مقالے میں اس غرض سے شامل کیا ہے کہ اس کے ذریعے ڈاکٹر اسلم فرخی کی خاکہ نگاری کا یہ منفرد پہلو بھی نمایاں ہوتا ہے۔

(۸) اسلم فرخی، ہُواالشَّمس (شمس زبیری)، مشمولہ لال سبز کبوتروں کی چھتری، (کراچی: شہرزاد، ۲۰۰۵ء)، ص ۱۹۹۔۲۰۰

(۹) ایضاً، حکیم چٹکلے باز، مشمولہ آنگن میں ستارے، (کراچی: شہرزاد، ۲۰۰۱ء)، ص ۱۳۳

(۱۰) ایضاً، بادیہ پیمائے آرزو (ڈاکٹر محمد احسن فاروقی)، مشمولہ موسمِ بہار جیسے لوگ، (کراچی: شہرزاد، ۲۰۱۰ء)، ص ۱۱۳۔۱۱۲

(۱۱) ایضاً، جلتا ہوا دیا (پیرزادہ قاسم)، مشمولہ آنگن میں، محوّلہ بالا، ص ۱۸۹

(۱۲) ایضاً، کچھ احوال اپنے ضمیر کا (ضمیر نیازی)، محوّلہ بالا، ص ۲۲۲

(۱۳) ایضاً، اے مشفقِ من (ایک نعرۂ مستانہ مشفق خواجہ کی یاد میں)، مشمولہ موسمِ بہار جیسے لوگ، محوّلہ بالا، ص ۱۵۶۔۱۵۵

(۱۴) ایضاً، لذّت آشنائے تلخیٔ دوراں (شوکت)، مشمولہ لال سبز کبوتروں کی چھتری، محوّلہ بالا، ص ۳۳

(۱۵) ایضاً، پتلے اکرام، مشمولہ آنگن میں ستارے، محوّلہ بالا، ص ۱۵۳

(۱۶) ایضاً، بَمُلکِ دلبری پاینده باشی (صاحبزادہ سیّد محمد حلیم چشتی کی یاد میں)، مشمولہ لال سبز کبوتروں کی چھتری، ص ۲۸۴

(۱۷) ایضاً، لال سبز کبوتروں کی چھتری، ایضاً، ص ۲۹۷

(۱۸) ایضاً، بادیہ پیمائے آرزو (ڈاکٹر محمد احسن فاروقی)، مشمولہ موسمِ بہار جیسے لوگ، محوّلہ بالا، ص ۱۱۳۔۱۱۲

(۱۹) ایضاً، تلاشِ وفا (وفا بھائی)، مشمولہ لال سبز کبوتروں کی چھتری، محوّلہ بالا، ص ۱۱

(۲۰) ایضاً، ثنا خوانِ حق (ثناء الحق صدیقی)، مشمولہ آنگن میں ستارے، محوّلہ بالا، ص ۱۰۷

(۲۱) رخسانہ صبا، اسلم فرخی کے خاکوں میں افسانوی عناصر، مشمولہ ماہنامہ قومی زبان (ڈاکٹر اسلم فرخی نمبر)، کراچی: انجمن ترقی اردو، نومبر ۲۰۱۶ء، ص ۱۰۲

(۲۲) اسلم فرخی، سخنِ گزشتہ (آغا اشرف کی یاد میں)، مشمولہ موسمِ بہار جیسے لوگ، محوّلہ بالا، ص ۱۰۶

(۲۳) ایضاً، دستک سے دل تک (واصل عثمانی)، مشمولہ آنگن میں ستارے، محوّلہ بالا، ص ۲۰۲

(۲۴) ایضاً، رودادِ رسوائی (مزرا نعیم اللہ رسوا)، مشمولہ لال سبز کبوتروں کی چھتری، محوّلہ بالا، ص ۶۲

(۲۵) ایضاً، مشفقِ من (مشفق خواجہ)، مشمولہ موسمِ بہار جیسے لوگ، محوّلہ بالا، ص ۱۵۴

(۲۶) ایضاً، بادیہ پیمائے آرزو (ڈاکٹر محمد احسن فاروقی)، محوّلہ بالا، ص ۱۱۹۔۱۱۸

(۲۷) ایضاً، لذّت تلخیٔ دوراں (شوکت)، محوّلہ بالا، ص ۲۹۔۲۸

(۲۸) ایضاً، جانِ بیتاب (باجی آپا)، ایضاً، ص ۱۵۹

(۲۹) ایضاً، اِنَّ ربّی قریبُ مّجیب (الیاس احمد مجیبی)، ایضاً، ص ۱۵۸

(۳۰) ایضاً، ثنا خوانِ حق (ثناء الحق صدیقی)، مشمولہ آنگن میں ستارے، محوّلہ بالا، ص ۱۰۸۔۱۰۷

(۳۱) ایضاً، نامیوں کے نشاں (ڈاکٹر عبدالعلیم نامیؔ)، مشمولہ موسمِ بہار جیسے لوگ، محوّلہ بالا، ص ۱۴۴
(۳۲) ایضاً، بوئے یاسمن باقیست (شیخ ہاشم رضا)، ایضاً، ص ۲۷
(۳۳) ایضاً، ہوا الشّمس (شمس زبیری)، مشمولہ لال سبز کبوتروں کی چھتری، محوّلہ بالا، ص ۲۰۲
(۳۴) ایضاً، روداد رسوائی (مرزا نعیم اللہ رسوا)، ایضاً، ص ۹۲
(۳۵) ایضاً، ص ۶۳، ۸۱۔۸۰
(۳۶) ملاحظہ ہو؛ بملکِ دلبری پایندہ باشی (حلیم چشتی علیہ الرحمۃ)، ایضاً
(۳۷) پروفیسر حبیب اللہ غضنفر، ڈاکٹر یاور عباس، نورالحسن جعفری، شریف کنجاہی، ادا جعفری، شاہد احمد دہلوی، شمس زبیری، محب عارفی، قمر جمیل، احمد فراز، مشتاق احمد یوسفی اور دیگر خاکوں میں ان تقاریب، مشاعروں، اور دیگر ادبی محفلوں کی تفصیلات مل جاتی ہیں۔
(۳۸) شمیم حنفی، آگ سی لگ رہی ہے سینے میں، مشمولہ ماہنامہ قومی زبان، (ڈاکٹر اسلم فرخی نمبر)، ص ۱۸، ۱۵
(۳۹) مسعود اشعر، موسم بہار جیسے لوگ، محوّلہ بالا، ص ۴۳۔۴۲
(۴۰) شاہد حنائی، اردو خاکے کا وقار۔۔۔ڈاکٹر اسلم فرخی، محوّلہ بالا، ص ۱۷
(۴۱) آنگن میں ستارے، محولہ بالا ص ۲۲۷۔۲۰۸۔۱۹۳۔۱۶۷۔۱۶۳۔۱۵۸۔۱۱۱۔ ۱۳۶۔۹۱۔۸۲۔۷۴ ؛ یاد رہے کہ یہ صرف ایک مجموعے آنگن میں ستارے سے فارسی اشعار کے مصرع اور تراکیب لی گئی ہیں اسی طرح دیگر مجموعوں میں بھی جا بجا فارسی تراکیب اور مصرعوں کا استعمال کیا گیا ہے جب کہ درجنوں فارسی اشعار بھی ان مجموعوں میں شامل ہیں۔
(۴۲) ملاحظہ ہو، رودادِ رسوائی (مرزا نعیم اللہ رسواؔ)، مشمولہ لال سبز کبوتروں کی چھتری، ص ۶۷ تا ۶۹ اور ۷۷ تا ۷۹
(۴۳) اسلم فرخی، سخنِ گزشتہ (ملاحظہ ہو: آغا اشرف کی یاد میں، مشمولہ موسمِ بہار جیسے لوگ، محوّلہ بالا، ص ۱۰۴ تا ۱۱۱
(۴۴) ملاحظہ ہو: لال سبز کبوتروں کی چھتری، مشمولہ لال سبز کبوتروں کی چھتری، محوّلہ بالا، ص ۲۸۸
(۴۵) ملاحظہ ہو، نامیوں کے نشاں، ڈاکٹر عبدالعلیم نامیؔ، مشمولہ موسمِ بہار جیسے لوگ، محوّلہ بالا، ص ۱۴۰
(۴۶) اسلم فرخی، نور علی نور (نورالحسن جعفری)، مشمولہ آنگن میں ستارے، محوّلہ بالا، ص ۸۰
(۴۷) ایضاً، روداد رسوائی (مرزا نعیم اللہ رسوا)، مشمولہ لال سبز کبوتروں کی چھتری، محوّلہ بالا، ص ۶۴۔۶۳
(۴۸) ایضاً، سات آسمان، (کراچی: شہرزاد، ۲۰۱۱ء)، ص ۹۷
(۴۹) ایضاً، مشاعرے کی روایت: ایک جائزہ، مشمولہ ماہنامہ قومی زبان (ڈاکٹر اسلم فرخی نمبر)، ص ۱۱۱
(۵۰) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو جو ملے تھے راستے میں، احمد بشیر، (لاہور: الفیصل، ۲۰۰۳ء)
(۵۱) شاہد حنائی، اردو خاکہ وقار: اسلم فرخی، مشمولہ قومی زبان (اسلم فرخی نمبر)، محولہ بالا، ص ۱۷
(۵۲) تعارف، لال سبز کبوتروں کی چھتری، بیک فلیپ

مآخذ:

(۱) سعید، صابرہ، ڈاکٹر، اردو ادب میں خاکہ نگاری، لاہور: زبیر بکس، ۲۰۱۷ء
(۲) سلیم الرحمان، منٹو کی خاکہ نگاری، مشمولہ پاکستانی ادب ۱۹۹۰ء، (مرتب: رشید امجد)، اسلام آباد: اکادمی

ادبیات، پاکستان، ۱۹۹۱ء
(۳) فرخی، اسلم، ڈاکٹر، آنگن میں ستارے، کراچی: شہزاد، ۲۰۰۱ء
(۴) _____، لال سبز کبوتروں کی چھتری، کراچی: شہزاد، ۲۰۰۵ء
(۵) _____، ڈاکٹر، موسم بہار جیسے لوگ، کراچی: شہزاد، ۲۰۱۰ء
(۶) _____، ڈاکٹر، سات آسمان، کراچی: شہزاد، ۲۰۱۱ء
(۷) _____، ڈاکٹر، رونقِ بزمِ جہاں، کراچی: شہزاد، ۲۰۱۴ء

رسائل:

(۱) اورینٹل کالج میگزین، ۱۹۴۰ء
(۲) ماہنامہ قومی زبان، (ڈاکٹر اسلم فرخی نمبر)، کراچی: انجمن ترقی اردو، نومبر ۲۰۱۶ء